ماہنامہ

قلندرِ شعور

اپریل ۲۰۱۹ء

سکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور روح کے عرفان کے بغیر سکون نہیں ملتا

جلد 7 شمارہ 3 | اپریل 2019ء | رجب ــ شعبان 1440ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ شعور کراچی

قلندر شعور

Neutral Thinking

(اردو ــ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

باہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 70 روپے..... سالانہ ہدیہ 950 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ، بیرونِ پاکستان 60 امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔ فون نمبر: 6912020 213 (0) 92+

۳۶ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ	محمد اویس الحسن خان	10
نعت رسول مقبول ﷺ	عنبر وارثی	11
رباعیات	ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ	12
آج کی بات	مدیر مسئول	14
فقیر کی ڈاک	ادارہ	20
نامے میرے نام	خانوادہ سلسلہ عظیمیہ	22
جنوری 2019ء کے سرورق کی تشریح	قارئین	25
حضرت محمد رسول اللہؐ	ماخوذ	29
مشیت الٰہی	حضرت مولانا محمد ادریس انصاریؒ	35
ہر شے ایک نہیں دو ہیں ــــ نظر دو کو ایک دیکھتی ہے	گلِ نسرین	41
تمہیں اے کاش کوئی راز یہ سمجھا گیا ہوتا	بلال حسن زئی	47
برسات کی بہاریں	نظیر اکبر آبادی	52
حضرت ذوالنون مصریؒ	(M.A-Mass Comm.) تالیف: قرۃ العین واسطی	55
کام کی زکوٰۃ ــــ؟	عابد محمود	61
اقتباسات	قارئین	66
اکیس کروڑ بے روزگار افراد	(MBA) سید اسد علی	67
قاصد بیاں کرے کسی کے دل کا حال کیا	مولانا ابوالکلام آزاد	75

غلطی نہ ماننا — غلط ہے	محمد عاصم بیگ (B.SE-Software Engr.)	81
لکیروں میں تصویر	حامد ابراہیم (M.A-Fine Arts)	85
روشن ذہن کردار	زاہدہ تبسم (M.Sc-Zoology)	91
اونچ نیچ کا پہاڑ	حماد علی شاہ	97
روشنی کے مراتب — ؟	عثمان طاہر	101
مرشد کی باتیں	عائشہ خان (M.A-Mass Comm.)	109
ماء = پانی = روشنی	محمد علی ضیا (M.A-Economics)	115
اسٹرابیری	محمد سعید انور (M.D—Alternative Medicines)	120
اللہ میاں کے باغ کے پھول — اولی الالباب بچے	ادارہ	122
اللہ میاں کے باغ کے پھول — قلعہ میں شگاف	بی بی انورادھا (متحدہ عرب امارات)	124
اللہ میاں کے باغ کے پھول — فہد اور یوسف	ازفیرین شیخ	128
اللہ میاں کے باغ کے پھول — آئینہ	سارہ خان (M.A-Mass Comm.)	130
آپ کے خواب اور ان کی تعبیر	خواجہ شمس الدین عظیمی	135
The Diary of Birds	Hazrat Farid al-Din Attar (RA)	148
The Universe	Dr. Naeem Zafar (Ph.D.)	153
Prophet Solomon (PBUH)	Extracted	157
The Wall of Gold	Bibi Anuradha (UAE)	161
Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA)	Dr. Saeeda Shafiq Memon (Ph.D.)	167
Message of the Day	K. S. Azeemi	172

حمد باری تعالیٰ

بحر و بر کو سنبھالتا تُو ہے
ہیرے موتی نکالتا تُو ہے

مشرقوں سے اُبھار کر سورج
ساری دنیا اُجالتا تُو ہے

جن کو خود میں بُلا کے لاتا ہوں
اُن بلاؤں کو ٹالتا تُو ہے

دیکھی اندیکھی سب زمینوں پر
سب خلائق کو پالتا تُو ہے

درد حد سے کبھی جو بڑھ جائے
میرے دل کو سنبھالتا تُو ہے

بحرِ غم میں بھنور ہزاروں ہیں
میری کشتی نکالتا تُو ہے

بحر و بر کو سنبھالتا تُو ہے
ہیرے موتی نکالتا تُو ہے

کلام: محمد اویس الحسن خان
ڈپٹی رجسٹرار، اسلام آباد ہائی کورٹ

نعت رسول مقبول ﷺ

سر لامکاں سے طلب ہوئی، سوئے منتہیٰ وہ چلے نبیؐ
کوئی حد ہے ان کے عروج کی، بلغ العلیٰ بکمالہٖ

یہی ابتدا، یہی انتہا، یہ فروغ جلوۂ حق نما
کہ جہان سارا چمک اٹھا، بلغ العلیٰ بکمالہٖ

رخ مصطفیٰؐ کی یہ روشنی، یہ تجلیوں کی ہماہمی
کہ ہر ایک چیز چمک اٹھی، کشف الدجیٰ بجمالہٖ

وہ سراپا رحمت کبریاؐ، کہ ہر اک پہ جن کا کرم ہوا
یہ کلام پاک ہے برملا، حسنت جمیع خصالہٖ

یہ کمال خلق محمدیؐ، کہ ہر اک پہ چشم کرم رہی
سر حشر نعرۂ امتی، حسنت جمیع خصالہٖ

وہی حق نگر وہی حق نما، رخ مصطفیٰؐ ہے وہ آئینہ
کہ خدائے پاک نے خود کہا، صلوا علیہ وآلہٖ

مرا دین عنبرؔ وارثی، بخدا ہے عشق محمدیؐ
مرا ذکر و فکر ہے بس یہی، صلوا علیہ وآلہٖ

کلام: عنبرؔ وارثی

رخِ روشن

جام و قدح و سبو یہاں میرا ہے
مے خانہ میں ہوں اب یہ جہاں میرا ہے
جب تک کہ شراب ہے مرے ساغر میں
جو کچھ بھی ہے زیرِ آسماں میرا ہے

''اللہ نے مسخر کر دیا جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، تمہارے
لئے، سب اس کی جانب سے۔'' (الجاثیۃ: ۱۳)

تخلیق کا مقصد معرفت ہے۔ معرفت کا ذریعہ حواس ہیں — حواس کی ابتدا معرفت سے ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے الست بربکم فرمایا اور سب سے پہلے اپنی آواز سے نوازا اور اپنا دیدار عطا کیا۔ سماعت و بصارت، ادراک و گویائی — خالق کائنات کے عرفان کے لئے عطا کی گئی ہیں۔ عشق الٰہی کے طالب کو محبوب کے دائمی حسن کی کشش مسحور کر دیتی ہے۔ وہ جرعہ جرعہ معرفت کا جام پیتا ہے اور ہر گھونٹ میں نئی شان دیکھتا ہے۔ ایسے عاشق پر محبوب کی نظر کرم محیط ہو جاتی ہے اور اس احاطہ میں وہ زمین و آسمان کی ہر شے کو تابع فرمان دیکھتا ہے۔

حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں،

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم اے بے خبر ز لذت شراب مدام ما

''ہم نے جام میں محبوب کے رخ روشن کا عکس دیکھا ہے۔ اے بے خبر! تجھے ہمارے دائمی مشروب کی لذت کی کیا خبر!''

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ اس رباعی میں بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے دوستوں پر یہ راز کھل جاتا ہے کہ دنیا و مافیہا کی ہر شے الوژن ہے۔ وہ معرفت کے کیف میں گم رہتے ہیں اور ماسوا سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ منزل کے سامنے دنیا کی بڑی سے بڑی آسائش اور دولت ان کے لئے بے وقعت ہے اور پرِکاہ (تنکا) سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ بے نیازی کی دولت ذہن کو دورخوں سے آزاد کرتی ہے اور وہ یک سو ہو کر اس رخ سے واقف ہو جاتے ہیں جس پر اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے۔

کائنات کی نیابت — خالق کائنات اللہ رب العزت کی طرف سے اشرف المخلوق انسان کے لئے امانت ہے۔ اللہ تعالیٰ قلندر صفت انسانوں کے ہاتھ میں اپنے نظام کی زمامِ کار (باگ ڈور) دے دیتے ہیں اور یہ تابع ذہن بندے اللہ کی سنت کو اپنا کر مخلوق کی خدمت کو شعار بنا لیتے ہیں۔

آج کی بات

مخلوقات لاشمار لیکن تخلیق کا فارمولا ایک ہے ۔ فارمولا مقداروں میں قسم قسم کے عجائبات میں ظاہر ہوتا ہے۔قرآن کریم کے مطابق ہر شے پانی سے پیدا کی گئی ہے۔ پانی میں حرکت ہے اور حرکت کا تعلق حرارت سے ہے۔ٹھنڈک اور حدت ـــ حرارت کے دو رخ ہیں، ایک پر منفی اور دوسرے پر مثبت چارج ہے۔چارج کے معنی دباؤ کے ہیں۔ حرارت میں درجہ بہ درجہ کمی بیشی کی مناسبت سے تخلیقات وجود میں آتی ہیں۔

پانی میں حرارت، پانی سے پیدا ہونے والی ہر مخلوق میں منتقل ہوتی ہے۔ پانی بذات خود فارمولا ہے جس میں ہر وہ مقدار شامل ہے جس سے وائرس سے لے کر پہاڑ تک کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ پانی کے فارمولے میں پانی سے پیدا ہونے والی تخلیقات کی مقداریں ساخت کے مطابق نمایاں ہوتی ہیں۔ ہر مقدار دوسری مقدار سے الگ ہے لیکن جب تک ادراک منتقل نہ ہو، پہچان (ڈائی مینشن) مغلوب رہتی ہے۔

ڈائی مینشن کب غالب ہوتے ہیں ـــ ؟ معدنی ذخائر مختلف دھاتوں کی شکل میں زیر زمین جس مقام پر موجود ہیں وہاں حدت زیادہ ہے۔حدت کی وجہ سے دھاتیں پگھل کر تحلیل ہوتی ہیں یعنی ان کی ڈائی مینشن مغلوب ہوجاتی ہے۔ حدت کم ہوکر منفی درجہ میں داخل ہوتی ہے تو اس عمل کے دوران وہ دھاتیں جو تحلیل ہوگئی تھیں، اپنی مخصوص مقداروں کی طرف رجوع کرتی ہیں اور شناخت ظاہر ہوتی ہے۔

پانی میں تیل ڈالیں، تیل اوپر آجاتا ہے۔اس پانی کو آگ پر رکھیں، تیل کی مقداریں پگھل کر پانی میں شامل ہوجائیں گی کیوں کہ پانی میں تیل کی اور تیل میں پانی کی مقدار

شامل ہے۔اب پانی کو ٹھنڈا کریں۔تیل پانی سے الگ ہو جائے گا۔

قارئین اس کا تجربہ کیجئے۔

• • ——————— • •

ہر مخلوق حرارت کے ایک مخصوص درجہ کا نام ہے۔اس درجہ میں کمی یا زیادتی سے شکل تبدیل ہوتی ہے۔پانی سے خون،خون سے دودھ، دودھ سے بالائی، بالائی سے مکھن اور مکھن سے گھی بنتا کیا ہے ــــ ؟ پانی میں گھی موجود ہے اور اس وقت نمایاں ہوتا ہے جب حرارت گھی کے لئے مخصوص درجہ کے برابر ہو جائے۔اسی طرح دالوں، سبزیوں اور دیگر اناج کو مشین سے گزارا جائے تو ان میں سے چکنائی خارج ہوتی ہے جس کو ہم تیل کہتے ہیں۔چکنائی کی مقداریں ٹوٹنے سے ڈائی مینشن نظر نہیں آتیں۔

غور کیجئے ــــ چکنائی جس کا دوسرا نام تیل ہے، پانی میں موجود ہے۔جس شے میں ثقل پیدا ہوتا ہے وہ بھاری ہو جاتی ہے اور اس میں ڈائی مینشن ظاہر ہوتے ہیں ــــ پانی میں زندگی کی ساری ڈائی مینشن موجود ہیں۔اسی کو اللہ تعالیٰ نے ''السحاب الثقال'' فرمایا ہے۔

''اور وہی تو ہے جو تمہیں خوف اور امید دلانے کے لئے بجلی دکھاتا ہے اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے۔'' (الرعد: ۱۲)

مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے اولی الالباب ہستیوں کو منفی و مثبت چارج سے واقف کرانے کے لئے برق سے متعارف کرایا ہے اور ثقل والے بادل پیدا کئے ہیں۔

تجزیہ: پانی ــــ ثقل ــــ چکنائی ــــ مثبت چارج ــــ منفی چارج = برق

برق ــــ آگ ہے اور آگ اور بجلی دونوں کا کام جلانا ہے۔

• • ——————— • •

کائنات کا نظام حرکت پر قائم ہے۔حرکت تیز ہونے سے حدت پیدا ہوتی ہے، حدت کو آگ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔حرکت کی رفتار کم ہونا، حدت کا دوسرا رخ ــــ ٹھنڈک ہے۔

حدت اور ٹھنڈک دونوں حرارت ہیں۔ حرارت کیا ہے ؟ حرارت ایک قسم کی توانائی ہے جو کیمیائی طور پر ایندھن جلانے سے ، میکانیکی طریقہ میں رگڑ سے اور برقی طریقہ میں مزاحمت سے پیدا ہوتی ہے۔ کیمیا کا تعلق گیس سے ہے، میکانیکی کا تعلق ٹھوس سے اور برقی کا تعلق ـــ سیال سے ہے۔ یہ تینوں حالتیں پانی میں موجود ہیں۔

• • ———————— • •

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''جس نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا کی پھر تم اس سے جلاتے ہو۔'' (یٰسٓ: ۸۰)

اب آپ سبز درخت سے آگ پیدا ہونے کی سائنسی اور روحانی توجیہ پڑھئے۔

سائنسی توجیہ: خون میں گلوکوز کی ایک مخصوص مقدار گردش میں رہتی ہے۔ اگر یہ مقدار مخصوص حد سے کم ہوجائے تو چکر آجاتے ہیں اور آدمی بے ہوش ہوسکتا ہے۔

پودوں میں گلوکوز کی تیاری کا عمل ضیائی تالیف (photosynthesis) کہلاتا ہے۔ پتوں میں موجود سبز مادہ (کلوروفل) سورج کی حدت سے کاربن ڈائی آکسائیڈ اور جسم میں موجود پانی کو گلوکوز میں تبدیل کرتا ہے۔ نتیجہ میں آکسیجن خارج ہونے سے فضا صاف ہوتی ہے اور ماحول کو نقصان سے بچاتی ہے۔

گلوکوز ـــ پتوں ، پھولوں اور پھلوں میں رنگ برنگ اقسام میں ذخیرہ ہوتا ہے۔ حیوانات اسے بطور غذا استعمال کرتے ہیں۔ حیوانی اور نباتاتی خلیہ میں گلوکوز آکسیجن کے ساتھ تعامل (reaction) کرکے دوبارہ کاربن ڈائی آکسائیڈ ، پانی اور حرارت میں بدل جاتا ہے۔ گویا یہ ضیائی تالیف کے عمل کا الٹ ہے، اسے خلیہ کا میٹابولزم کہتے ہیں۔

خلیہ کا میٹابولزم احتراق (combustion) یا جلنے کے عمل کی مانند ہے۔ فرق اتنا ہے کہ خلیہ کے اندر ہونے والا یہ عمل محدود نوعیت کا ہے اور توانائی کی خفیف مقدار خارج

ہوتی ہے۔ خلیہ اس اندرونی ''آتش دان'' کو محفوظ طریقہ سے حرکت میں رکھتا ہے۔ مثال گاڑی کے انجن کی ہے جس میں پٹرول تھوڑا تھوڑا جلنے سے انجن متحرک رہتا ہے۔ سانس کے ذریعے آکسیجن ہر خلیہ میں پہنچ کر میٹا بولزم کا حصہ بنتی ہے۔ جس طرح آگ کو دھونکنی سے فروزاں کرتے ہیں، آکسیجن میٹا بولزم کے عمل کو تیز کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھاگتے وقت ہم تیز تیز سانس لیتے ہیں۔

• • ——————— • •

روحانی توجیہ: رب کائنات کا ارشاد ہے،

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے تخلیق کیا مقداروں میں اور ان مقداروں کی ہدایت بخشی۔ جس نے روئیدگی پیدا کی اور اسے سیاہ کوڑا کر دیا۔'' (الاعلیٰ: ۱۔۵)

ہر مخلوق مقداروں سے مرکب ہے اور ان مقداروں کا خالق اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔ آگ، ہوا، مٹی اور پانی تخلیق کے بنیادی عناصر ہیں۔ ان کے ردوبدل سے دیگر تخلیقات وجود میں آتی ہیں۔ مگر غور طلب ہے کہ یہ چاروں عناصر بھی مقداروں سے مرکب ہیں۔

مثلاً آگ صرف آگ سے نہیں بنی، یہ ان تمام اجزا کا مرکب ہے جو کائنات میں موجود ہیں۔ یہ اجزا جب آگ کے لئے مخصوص مقداروں میں جمع ہوتے ہیں تو ایک فارمولا بن جاتا ہے جس کو آگ کہتے ہیں۔

ماحولیاتی نظام میں اعتدال قائم رکھنے کے لئے نباتات کا کردار اہم ہے۔ نباتات کی پہچان بنیادی طور پر سبز رنگ ہے۔ درخت، پتے، گھاس پھوس، پھول پتی، ترکاریاں، فصلیں سب میں سبز رنگ نمایاں ہے اور سبز ٹھنڈک کی علامت ہے۔ جس طرح ہر شے اپنے متضاد رخ سے پہچانی جاتی ہے اسی طرح ٹھنڈک کا متضاد رخ آگ ہے جو درختوں

میں موجود لیکن مغلوب ہے۔ ہرے بھرے درخت میں آگ کی وجہ اس کے اندر تیل موجود ہونا ہے۔ اگر حدت اتنی زیادہ ہو جائے کہ لکڑی کی مقداریں ٹوٹیں اور تیل کا غلبہ ہو جائے تو تیل سے جو شے ٹکرائے گی، اس کی رگڑ سے آگ پیدا ہو گی۔

ایک طرف تیل یعنی چپک نے اجزا کو جوڑ کر رکھا ہے۔ دوسری طرف اسی تیل کی وجہ سے اشیا میں جلنے یا راکھ ہونے کا وصف موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لکڑی بھی آگ پکڑ لیتی ہے، مٹی سے بھی تیل نکلتا ہے اور پانی میں بھی آگ لگتی ہے۔ تیل میں کاربن ہوتا ہے اور کاربن کی خصوصیت جلانا ہے۔ جلنے سے دھواں پیدا ہوتا ہے اور دھواں کثیف شے ہے۔ البتہ ایک تیل زیتون ہے جس میں کاربن نہیں۔

ڈائی مینشن نمایاں کب ہوئے ــــ؟ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے،

''پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ اس وقت دخان تھا۔ اس نے دخان اور زمین سے کہا، دونوں آؤ، خوشی یا زبردستی سے۔ دونوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں۔'' (حٰمٓ السجدۃ: ۱۱)

کائنات کی تخلیق میں ایک مرحلہ وہ ہے جب آسمان ''دخان'' کی حالت میں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ جیسے ہی دخان زمین میں داخل ہوا، زمین میں ڈائی مینشن نمایاں ہو گئے۔

واضح رہے کہ قرآن کریم نے جسے دخان فرمایا ہے، سائنس اسے کاربن کہتی ہے تاہم لفظ کاربن سے ''دخان'' کی وضاحت نہیں ہوتی۔

اس تشریح سے درخت میں سے آگ پیدا ہونے کے عمل کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

آگ کا غالب رنگ سرخ ہے۔ سبز اور سرخ ــــ لکڑی میں منفی اور مثبت چارج کی علامت ہیں۔ مثبت اور منفی چارج ایک دوسرے میں جذب ہوتے یعنی ایک دوسرے سے

رگڑ کھاتے ہیں تو ایندھن بنتا ہے جس کو ہم سانس لینا کہتے ہیں۔

سانس کا تعلق کیلوریز سے ہے۔ حرارت کی وہ مقدار جو ایک گرام پانی کو ایک درجہ سینٹی گریڈ تک گرم کر سکے، کیلوری کہلاتی ہے۔ جسم ستر فی صد پانی پر مشتمل ہے۔ پانی میں مثبت اور منفی دونوں چارج ہیں۔ پانی میں توانائی داخل ہونے سے دونوں چارج ٹکراتے ہیں، ان کی رگڑ سے بھاپ پیدا ہوتی ہے۔ بھاپ سانس بن کر جسم سے خارج اور داخل ہوتی ہے۔

اس فارمولے کو یک سوئی کے ساتھ دوبارہ پڑھئے۔

آنا اور جانا، دو مقداریں ایک جگہ جمع ہوتی ہیں تو ہم اسے سانس کہتے ہیں۔ سانس لینے اور سانس باہر آنے میں جو شے متاثر ہوتی ہے وہ ٹھہراؤ یا عدم ٹھہراؤ ہے۔ گہرائی میں سانس لینے سے زندگی کا وقفہ بڑھتا ہے، سانس سطحی ہے تو دورانیہ کم ہو جاتا ہے۔ دو وجود فنا ہونے سے تیسرا وجود پیدا ہوتا ہے۔ یہ تیسرا وجود ایک زندگی ہے جو اپنے دوسرے رخ سے مل کر فنا ہوتا ہے اس طرح زندگی سے موت اور موت سے زندگی ظاہر ہوتی ہے۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

اللہ حافظ

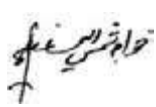

فقیر کی ڈاک

تفکر ـــ ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ غور وفکر سے خیال کی گہرائیاں روشن ہوتی ہیں۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی ـــ عرفان نفس اور معرفت الٰہی ہے۔ ''فقیر کی ڈاک'' اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب ذہن کی پرتوں کو کھول کر لاشعور کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

آدم وحوا کے رشتہ سے ہم سب ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔ یہ میرا نصیب ہے کہ میں آپ کی بیٹی، آپ کی خدمت میں بذریعہ تحریر حاضر ہورہی ہوں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ، پیارے ابا جی!

میں ننھا سا ذرّہ بڑا ہی ناتواں۔ مجھ عاجز و محتاج کو آپ کی شفقت کا سہارا۔ آپ کی ممتا میرا آسرا۔

آپ نے مجھے اللہ سے دوستی اور محبت کا درس دیا۔ رسول اللہؐ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے اور اسوۂ حسنہ پر عمل کی تلقین کی۔ قرآن کریم کو ترجمہ کے ساتھ پڑھنے کی طرف متوجہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور وفکر کرنا سکھایا۔ اے شفیق ماں! آپ نے مجھے خلق خدا سے ہم دردی، خوشی میں شریک ہونے اور غم بانٹنے کا سبق دیا، اس نادان بچہ کو معاف کرنا اور معافی مانگنا سکھایا۔

اے میری ماں! میرے ناز نخرے اٹھانے والی ـــ میری انگلی پکڑ کر چلانے والی ـــ مجھ گندگی میں لتھڑی ہوئی کو پاک صاف کرنے والی ـــ مہکانے والی ـــ سجانے والی ـــ محبت کا درس دینے والی ماں ـــ راستہ کے پتھر کو فرش سے اٹھا کر عرش پہ بٹھانے والی ماں! میری تکلیف پر تڑپ جانے والی ـــ سکون و راحت پہنچانے والی ماں ـــ اس ایثار کا حق کیسے ادا ہو! ایک ہی راستہ ہے کہ ماں کے حکم کی تعمیل، ماں کی خدمت اور ماں کی تربیت پر عمل۔ اے پیاری ماں! میں کیا کہوں کہ میری تکلیف ناقابل بیان ہے، تجھ کو معلوم ہے۔ اپنی ممتا کی آغوش میں مجھے سمیٹ لے۔

اے میری روحانی ماں! دل ہر لمحہ حاضری کا خواہش مند ہے، باادب بانصیب ہونا چاہتا ہے۔

اے علم دوست ہستی! میرے اندر حقیقی علم کی طلب کو سیراب کر۔

پیاری ماں مجھ کو تیری رضا چاہئے مقدس قدموں میں مجھ کو پناہ چاہئے
پیاری ماں مجھ کو تجھ سے تو چاہئے ممتا کے آنچل کی پیاری ہوا چاہئے
پیاری ماں تیری شفقت و محبت بے انتہا مطربہ کو آغوش محبت میں پناہ چاہئے

پیاری ماں ! مجھے کچھ کہنا نہیں آتا۔ مدعا بیان کرنا آتا ہے نہ دعا کرنی آتی ہے۔لیکن ماں انمول ہے کہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ اور توتلی زبان سمجھ جاتی ہے۔ ماں تو وہ ہستی ہے جو بن کہے حال دل جان لیتی ہے۔

یہ بچہ اپنی ماں کے قدموں میں، خدمت میں جگہ چاہتا ہے کہ بچہ کی جنت ماں کی خدمت میں ہے۔

اس بچہ پر ممتا نچھاور فرما دیجئے اور محبت کا سبق پڑھائیے کہ محبت ایثار ہے اور ایثار منزل ہے۔

مطربہ کا بہت بہت سلام قبول فرمائیے۔

آپ کی روحانی بیٹی، غزالہ یاسمین۔کراچی

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ،

بہت پیاری بیٹی ! اللہ تعالیٰ اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے آپ کو اپنی نعمتوں سے نوازے۔ ہمیشہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے ستّر (70) ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے۔آپ اللہ کو حاضر و ناظر سمجھ کر اس بات پر تفکر کریں کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔کوئی بھی کام ہو، اسے انجام دینے سے پہلے یہ ضرور سوچیں کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔جس وقت یہ سوچیں اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اس وقت تصور کریں کہ اللہ آپ کو دیکھ رہا ہے۔رات کو جتنا بھی وقت ہے، درود شریف پڑھیں اور دن میں ہمہ وقت ''یا حیی یا قیوم'' کا ورد کریں کہ اللہ آپ کو دیکھ رہا ہے۔

آپ نے بہت پیارا خط لکھا ہے۔ بے شک آپ میری بیٹی ہیں اور میں آپ کے لئے دعا گو ہوں۔

اپنے اماں ابا اور بہن بھائیوں کو میرا اسلام دیں۔ درخواست ہے کہ میرے لئے دعا کرائیں اور خود بھی دعا کریں۔اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے، آمین۔

دعا گو، عظیمی (دسمبر 2018ء)

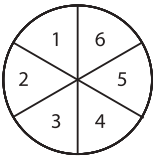

نامے میرے نام

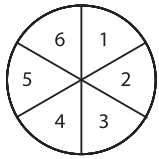

خواتین وحضرات قارئین — السلام علیکم ، ذہن میں ''ماہنامہ قلندر شعور'' کے مطالعہ کے بعد کوئی ایسا خیال آتا ہے جس کا جواب نہ ملنے سے تشنگی بڑھ جاتی ہے۔آپ لکھئے — اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ انشاءاللہ جواب شائع کیا جائے گا۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کے چالیسویں عرس کے موقع پر عظیمی صاحب کے خطاب پر منتخب تفکر یہ ہے،

فائزہ لیاقت (کراچی): عظیمی صاحب نے خطاب میں مشق دی تھی کہ ہم غور کریں کہ جو شے ہمارے سامنے آتی ہے، اس کا دوسرا رخ کیا ہے۔ میں نے خوشی پر غور کیا۔ ایک دو روز خوشی کی کیفیت میں رہی تو احساس ہوا کہ خوشی کا دوسرا رخ خوشی ہی ہے کیوں کہ میری خوشی ضرب در ضرب ہو رہی تھی۔ پھر دو روز بعد ایسی پریشانی آئی کہ میں خوش رہنا بھول گئی اور کئی دن اس کیفیت میں گزر گئے۔ پریشانی ختم ہوئی تو مجھے خیال آیا کہ خوشی کا دوسرا رخ ناخوشی ہے اور ناخوشی کے بعد پھر خوشی ہے۔ اس مشق سے میں نے کیا سیکھا؟ خوشی اور ناخوشی دونوں تغیر ہیں۔

شارق (اسلام آباد): زندگی ریکارڈ ہے۔ ریکارڈ کا جو حصہ سامنے آتا ہے وہ حاضر ہے، باقی غیب ہے۔ ہم ریکارڈ پڑھنے کی مشین ہیں۔ مشین پر فلم لگی ہوئی ہے۔ ہمیں فلم کو پیچھے (rewind) یا آگے (forward) کرنا نہیں آتا جب کہ یہ صلاحیت ہمارے اندر ہے۔

روبینہ (کراچی): عظیمی صاحب نے اپنی تقریر میں ہدہد کا واقعہ بیان فرمایا۔ ہدہد کے ہاتھ خط آنا اور ملکۂ سبا کے محل میں خط کے جواب کا منتظر رہنا بتاتا ہے کہ ہدہد پرندہ ہماری طرح کی باشعور مخلوق ہے۔ فرق جسامت کا ہے۔ ہم اپنے علاوہ دوسری مخلوقات کو بے شعور سمجھتے ہیں اس لئے اس طرح کے واقعات پڑھ کر تعجب ہوتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے دربار میں انسان اور آدمی کے علاوہ دیگر مخلوقات کی موجودگی لہروں کے علم کو ظاہر کرتی ہے۔ دیگر مخلوقات نہ صرف حضرت سلیمانؑ کی بات سمجھتی تھیں بلکہ آپس میں بھی باتیں کرتی ہوں گی۔ یقیناً بات کرنے کا ذریعہ یا زبان سب میں مشترک ہوگی اور یہ لہروں کی زبان ہوسکتی ہے۔ ان کے دربار میں ہر کوئی سکت کے مطابق لہروں کے علم سے واقف تھا۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے بادشاہ حضرت سلیمانؑ کو لہروں کا علم حاصل تھا۔

محمد فرحان (لاہور): آدمی اور انسان میں فرق ذہن کی طرز کا ہے۔ ذہن تبدیل ہونے سے جسم میں تبدیلی آتی

ہے۔ ذہن سے اطلاعات جسم کو ملتی ہیں، جسم اطلاع کے مطابق شکل اختیار کرتا ہے اور عکس شخصیت میں جھلکتا ہے۔ آدمی نافرمان ہے — اس کی شخصیت اور چہرہ بے رونق ہے۔ انسان فرماں بردار ہے — اس کی شخصیت پرکشش اور چہرہ پُرنور ہوتا ہے۔ فرماں برداری یہ ہے کہ مخلوق کا ذہن اللہ تعالیٰ کے تابع ہو۔

★ ——— ★

سبحان ڈار (سیالکوٹ): دوست کے پاس ''ماہنامہ قلندر شعور'' دیکھا۔ سرورق نے متاثر کیا۔ دوست نے بتایا کہ یہ حضور قلندر بابا اولیاؒ کی رباعی ہے۔ اس نے رسالہ اور کتاب ''تذکرہ قلندر بابا اولیاؒ'' پڑھنے کو دی۔ میں نے کتاب پڑھی، کچھ مضامین آسان اور کچھ مشکل ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ حضور قلندر بابا اولیاؒ کی شخصیت عظیم ہے۔ سرورق پر ان کی رباعی کی تصویر کشی بے حد پسند آئی۔ الفاظ تصویر سمیت ذہن میں نقش ہو گئے۔ میں نے کشش کے قانون پر غور کیا۔ ہم زندگی کشش میں رہ کر گزارتے ہیں۔ جس چیز سے گریز کرتے ہیں وہ بھی دراصل کسی شے کی کشش میں ہوتا ہے۔ کشش سے نکلیں گے تو فضا میں معلق ہو جائیں گے۔ میری نظر سے اب تک ایسا کوئی رسالہ نہیں گزرا جس میں سرورق کی تشریح شائع کی جاتی ہو۔ یہ اچھا سلسلہ ہے۔

سیما راشد (کراچی): حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبولؐ کا ہر لفظ موتی ہے۔ حسب معمول تمام سلسلے عمدہ ہیں۔

وامق طفیل (کراچی): مضمون ''آئینۂ دل'' اچھا لگا۔ ہماری موجودگی اس وقت تک ہے جب تک ہم آئینہ کے سامنے ہیں۔ آئینہ سے ہٹتے ہیں تو ہم خود اپنے لئے غیب ہیں۔

حدیقہ صبور (کراچی): بچوں کے صفحات کم لیکن معیاری ہیں۔ اب تک جو کہانیاں شائع ہوئی ہیں، بچوں کے لئے ان کو کتاب کی شکل میں شائع کیا جائے۔ ہمارے پاس بچوں کا معیاری ادب نہیں ہے۔

بینش ضیا (ساہیوال): ''لہسن اور پیاز کی بو'' تین بار پڑھا۔ عنوان اچھا رکھا گیا ہے۔ یہ مضمون شوہر اور بیوی دونوں کے لئے آئینہ ہے۔ میں نے اپنے شوہر کو پڑھنے کے لئے دیا کیوں کہ اس میں ہمارے ایک مسئلہ کا حل بھی موجود تھا۔ اس طرح کے مضامین شائع کئے جانے چاہئیں جن میں لطیف پیرائے میں مسائل کا حل بیان کیا گیا ہو۔

عبیرہ سلیم (بہاولپور): آسان، مشکل، ہلکے پھلکے یا پھر بھاری مضامین — سب میں ادب، تحقیق اور تفکر نمایاں ہے۔ ہر ماہ نئی بات، نیا مضمون یا بات کو بیان کرنے کا نیا زاویہ۔ فروری میں ''شطرنج کے موجد کا انعام'' اچھا اضافہ تھا۔

سعد دانش (کراچی): عابد محمود صاحب کو مبارک باد کہ انہوں نے ''ادھورا'' لکھ کر معاشرہ کو رویہ میں خامی کا احساس دلایا۔ میں نے بھی ایک بار ایک بیجڑے کا مذاق اڑایا تھا اور جب سے مضمون پڑھا ہے، بے حد شرمندہ ہوں۔ سبق سیکھا ہے کہ وہ ہمارے بہن بھائی ہیں اور اللہ کی مخلوق ہیں۔ ہمارا ایک لفظ کسی کی دنیا بناتا ہے اور کسی کی دنیا بگاڑ دیتا ہے۔ ہمیں اپنے الفاظ میں موجود توانائی کو اپنی اور دوسروں کی زندگی تعمیر کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہئے تاکہ کوئی ''نادر''

گھر سے بے گھر نہ ہو۔ میں حقیقت میں اس مضمون کو پڑھ کر رویا ہوں۔ دعا کریں کہ اللہ میری معافی قبول فرمائے۔

محمد فرقان (راولپنڈی): تجویز ہے کہ شکاریات پر باقاعدگی سے مضمون شائع کئے جائیں۔ اس میں مہمات کا نقشہ ہمیں افریقہ کے جنگلوں میں پہنچا دیتا ہے۔ ★ بہت شکریہ، شکاریات اچھا موضوع ہے، آپ پہل کریں۔

★ ——— ★

فروری 2019ء کے ''آج کی بات'' پر منتخب تفکر پڑھئے۔

نازیہ محبوب (فیصل آباد): ''آج کی بات'' کی گہرائی میں اترنے کے لئے پانچ مرتبہ پڑھا۔ مزید راہ نمائی کے لئے معاون کتب ''قدرت کی اسپیس'' اور ''شرح لوح وقلم'' کے پہلے تین عنوانات تین بار پڑھے۔ تفکر پیش ہے — اللہ تعالیٰ نے ہر شے جوڑے جوڑے پیدا کی ہے۔ شعور اور لاشعور آدم کے دو رخ ہیں۔ شعوری رخ آدمی ہے جو اسفل سافلین میں ہے، لاشعوری رخ انسان ہے جو احسن تقویم ہے۔ مادی ذہن کو مغلوب کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم تغیر کے نظام پر غور کریں۔ ہم سب خود کچھ بھی نہیں، اللہ کے نظام کا حصہ ہیں۔

ارسلان (کراچی): ''گھٹنے اور بڑھنے سے کثرت نظر آتی ہے،'' مختصر جملہ میں کثرت کا قانون ہے۔ شے مقداروں میں گھٹتی بڑھتی ہے۔ سب کے گھٹنے بڑھنے کی مقداریں الگ ہیں۔ جیسے لاروا کو سب کیڑا سمجھتے ہیں مگر ایک وقت کے بعد وہ تتلی بن جاتا ہے۔ بچہ اگر بڑھے گا نہیں تو جوان نہیں ہوگا، زندگی کا نظام آگے نہیں بڑھے گا۔

حسیب ذوالفقار (کراچی): سورہ روم کی آیت اور عظیمی صاحب کی تحریر پڑھ کر واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس ساخت پر بنایا ہے اس میں گھٹنا اور بڑھنا نہیں ہے، ایک مرکز پر رہنا ہے۔ مرکز پر رہنے سے جسم کی نشوونما تو اپنی جگہ ہوتی رہے گی لیکن ذہن کی نشوونما بھی ہوگی، وہ تقسیم نہیں ہوگا اور ہر شے کو ایک بیلٹ پر دیکھے گا۔

ثمینہ مقصود (فیصل آباد): آپ نے ظاہر اور باطن کے فرق کو سورہ نور کی مثال سے بہت اچھی طرح سمجھایا۔ یعنی مشاہدہ کرنے کی دو طرزیں ہیں۔ ظاہری خدوخال کو سامنے رکھتے ہوئے اور نور سے واقف ہو کر پڑھنا۔ شے کو الگ الگ سمجھ کر پڑھنا، اسپیس کے تابع ہو کر پڑھنا ہے۔

ڈاکٹر ندا (لاہور): روحانی علم کی منتقلی کا واقعہ بہت توجہ طلب ہے۔ علم لہروں کے ذریعے منتقل ہوتا ہے۔ استاد نے شاگرد کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تو شاگرد نے اپنے وجود میں تبدیلی محسوس کی۔ استاد ہاتھ پر ہاتھ رکھے بغیر بھی یہ کرسکتا تھا لیکن چوں کہ شاگرد کا مشاہدہ نہیں ہے، اس لئے شاگرد کے یقین کے لئے استاد نے اسے مشاہدہ کروایا۔ لہروں کا علم — کائنات کا علم ہے۔ ''آج کی بات'' میرے شوق طلب کو بڑھا دیتی ہے۔ میں نے یہ مشق شروع کی ہے کہ جس شے کو دیکھتی ہوں خود سے کہتی ہوں کہ یہ لہریں ہیں۔ میں بھی لہروں پر مشتمل ہوں۔ عرس میں خطاب کے دوران حضرت سلیمانؑ کے واقعہ میں عظیمی صاحب نے ایک بار پھر لہروں کی اہمیت کو واضح کیا۔

سرورق کی تشریح

جنوری 2019ء کے سرورق پر ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کا مزار مبارک دیکھا تو احساس ہوا کہ ہر ولی کی ایک شان، اپنا رنگ اور مٹھاس ہے۔ ان کے مزارات بھی الگ اور منفرد ہیں۔ ولی اللہ کے مزار پر حاضر ہونے والے ہر فرد کو اپنے ظرف کے مطابق فیض ملتا ہے۔ جس طرح لاہور کا نشان فخر ''داتا کی نگری'' ہے اسی طرح کراچی کا سرمایۂ ناز ''قلندر بابا اولیاؒ'' کا شہر ہونا ہے۔ یہاں دوستی کو اخلاص کا گوہر ملتا ہے۔ خستہ حال غنی بنتے ہیں۔ دل سکون کی وسعتوں سے ہم کنار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے صادق بندہ کی دوستی کے طفیل لوگوں کی دعائیں قبول فرماتے ہیں۔ حضور پاکؐ کے روحانی علوم کے وارث اولیاء اللہ میں سے ایک، ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ — نوعِ انسانی کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں۔ آپ نے اپنی تعلیمات میں لوگوں کو قرآن کریم میں بیان کئے گئے تخلیقی فارمولوں سے روشناس کروایا اور بلاتفریق مذہب وملت — ایک اللہ کی رسی مضبوط پکڑنے کا پیغام دیا ہے۔ سرورق پر رباعی کو میں اس طرح سے سمجھا — ابدالِ حق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بہت بڑا کرم کیا یعنی مرا انتخاب ان لوگوں میں کیا جو صراط مستقیم پر قائم اور انعام یافتہ ہیں۔ مجھے معرفت کی شراب کا ایک گھونٹ عطا کیا ہے جس سے عرش نظر آرہا ہے۔ (محمد عاشق۔ ایبٹ آباد)

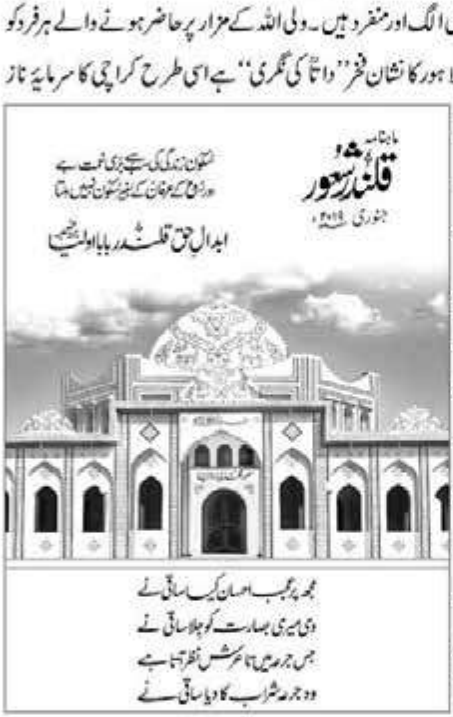

موجودہ دور کا سب سے بڑا مسئلہ سکون ہے اور بے سکونی کی وجہ اللہ تعالیٰ سے دوری ہے۔ مقرب بارگاہ بندوں نے ہر دور میں نوعِ آدم کو سکون سے آشنا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس نے ان کے پیغام کو قبول کیا وہ پرسکون ہو گیا۔

ابدال حق کے شاگرد رشید محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

''روحانی استاد وہ جس کی قربت میں آدمی کا ذہن ماورائی دنیا کی طرف متوجہ ہو جائے اور جتنی دیر آدمی اس کے پاس بیٹھے اس کے اوپر غم، خوف، اضمحلال اور پریشانی کا سایہ نہ پڑے۔ یقین کے بجھتے دیئے روشن ہو جائیں۔ روحانی استاد کی پہچان یہ ہے کہ وہ کسی سے توقع رکھتا ہے اور نہ اس کے اندر حسد اور لالچ ہوتا ہے۔ روحانی استاد کی مجلس میں بیٹھ کر دماغ بڑا محسوس ہوتا ہے۔ ذہن کائناتی نظام میں اس طرح گم ہو جاتا ہے کہ دماغ میں تفکر کا pattern متحرک ہو جاتا ہے۔ اس کے اوپر غیبی دنیا کے علوم وارد ہونے لگتے ہیں۔'' (نظریۂ رنگ و نور)

سرورق میں باادب بانصیب ہونے اور سکون کی دنیا میں داخل ہونے کا درس ہے۔ (محمد حسیب۔ لاہور)

عشق ہی میرا سفر ہے، عشق ہی کاشانہ ہے میں وہی کشتی ہوں جس کا ناخدا دیوانہ ہے

عشق انکساری اور خود آگاہی کے آداب سکھاتا ہے۔ پھر اللہ کے نیک بندوں پر شہنشاہی کے اسرار کھلتے ہیں۔ سرورق پر رباعی کا ہر مصرعہ عشق کے سفر کا احوال ہے۔ ابدالِ حق فرماتے ہیں،

مجھ پر عجب احسان کیا ساقی نے ــــ ساقی شراب پلانے والے کو کہتے ہیں۔ تصوف میں شراب سے مراد معرفت ہے اور پلانا ــــ درجات کے معنی میں آتا ہے۔ ساقی وہ بدیع العجائب ہستی ہے جس کی کرم فرمائی سے ایسی دنیا منکشف ہوئی کہ بندہ ہر مرحلہ پر خود سے بے خود ہوتا گیا۔ لفظ عجب ــــ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان کبریائی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

دل رہا میرا وہ صورت جلوہ گر جب تک رہی اب میں بیگانہ ہوں دل سے، مجھ سے دل بیگانہ ہے

دی میری بصارت کو جلا ساقی نے ــــ بنیادی طور پر دیکھنے کے دو زاویے ہیں۔ ایک فکشن اور دوسرا حقیقت ہے۔ بصیرت وہ زاویہ ہے جس کا تعلق نور سے ہے۔ جب نور صعود کرتا ہے تو بصیرت کو جلا ملتی ہے اور وہ مجلّا ہوتی ہے۔ مجلّا سے مراد ــــ تجلی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

شمع اپنے ساتھ دور زندگانی لے گئی کچھ نہیں محفل میں، اک خاکسترِ پروانہ ہے

جس جرعہ میں تاعرش نظر آتا ہے ــــ جرعہ شراب کا گھونٹ ہے۔ شراب کے معنی یہاں علم یا علم کا بہاؤ ہے۔ جرعہ ــــ وقت کا وہ حصہ ہے جس میں ازل تا ابد کی اسپیس سمٹ کر ایک نقطہ میں آجاتی ہے۔

وہ جرعہ شراب کا دیا ساقی نے ــــ محبوب کے در کا سوالی ہوں، اس نے مجھے نوازا اور وقت سے متعارف کروایا۔

(محمد بلال۔ کراچی)

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کی رباعیات اسرار و رموز کی حامل ہیں اور اللہ سے عشق اور اس کی وحدانیت و لامتناہیت کی چاشنی میں گھلی ہوئی ہیں۔ جنوری کے شمارہ میں شائع ہونے والی رباعی میں فرماتے ہیں کہ اللہ کی مہربانی اور

احسان ہے کہ میرے اندر وہ روشنی بھر گئی جس سے مجھے ازل سے ابد تک کا مشاہدہ عطا ہوا۔

نوع انسان کے جو افراد زندگی کے میکانزم اور غیب کے حواس کو سمجھنے اور تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ کے قانون کے مطابق ان کو بصیرت عطا ہوتی ہے اور بصیرت ــــ کائنات کا احاطہ کر لیتی ہے۔ بندہ صدق دل سے نیک اعمال کے ساتھ روشنی تلاش کرتا ہے تو وہ پاکیزہ سیرت اور پاکیزہ صورت ہو جاتا ہے۔ وہ مسلمان سے مومن بنتا ہے اور نور فراست عطا ہوتی ہے۔

''یہ بدوی کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ تم اسلام لائے ہو، ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔'' (الحجرات:۱۴)

حضور قلندر بابا اولیاؒ کی تعلیمات متوجہ کرتی ہیں کہ نیابت و خلافت ــــ آدم کا ورثہ ہے۔ اس روحانی ورثہ کے حصول میں لگ جائیں اور زندگی سے واقف ہوں۔ رباعی کا مفہوم یہ سمجھی ہوں کہ ابدال حق فرماتے ہیں کہ میں نے معرفت الٰہی کی شراب کا گھونٹ پیا ہے جس سے میں اپنی اصل سے واقف ہو گیا۔ اصل سے غفلت آدمی کو تباہی کے راستہ پر لے آتی ہے۔ شراب کا یہ گھونٹ میرے اوپر اسرار منکشف کرتا ہے اور میں ٹائم اور اسپیس سے آزاد ہو کر کائناتی سسٹم کا رکن بن جاتا ہوں اور جان لیتا ہوں کہ جسم لباس اور لباس میں حرکت روح ہے۔ روح ــــ نور ہے اور روح کی ہر صلاحیت اللہ کی صفات ہیں۔ روح ــــ اللہ کا امر ہے اور اللہ کا امر ــــ لامحدود ہے۔

معرفت کا جام اس وقت عطا ہوتا ہے جب دل شک اور ملاوٹ سے پاک ہو جائے۔ کوئی کھوٹ نہ رہے۔ بندہ یقین سے سرشار ہو۔ اللہ کی رحمت سے اور رسول اللہؐ کی شفقت سے ایسے بندہ کی نظر تحت الثریٰ سے عرش معلیٰ تک پہنچتی ہے۔ افسوس کہ ہم نفس کے ارتقا کے بجائے، جسم کی نشو ونما میں لگے رہتے ہیں۔

نوع آدم کو مخلوقات میں اشرف ہونے کی طرف متوجہ کرنا روحانی سلاسل کا مشن ہے۔ آدمی اپنا کھویا ہوا مقام اور وقار شک سے نجات پا کر حاصل کر سکتا ہے۔ (یاسمین گل۔ فیصل آباد)

جنوری 2019ء کے سرورق کو دیکھ کر آیت ذہن میں آئی کہ ''اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔'' ابدالِ حق کے چالیسویں عرس میں شمولیت کی سعادت حاصل ہوئی۔ کراچی میں مزار مبارک پر حاضری دی اور دل سکون سے لبریز ہو گیا۔ سرورق کو دیکھ کر یہ احساس جاگزیں ہوا کہ بے شک اللہ کے دوستوں کے پاس ہر خاص و عام کو سکون حاصل ہوتا ہے اور سکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ سرورق پر رباعی میں اللہ سے عشق کی تڑپ ہے کہ اگر اس تڑپ کا ایک عکس بھی ہمارے اندر سما جائے تو ہمیں منزل مقصود مل جائے۔ (عدنان نذیر۔ اٹک)

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

ایک ذات اور کل ذات کے درمیان تجلی ایک پردہ ہے۔کل ذات سے مشیت الٰہی محمدؐ پر نزول کرتی ہے اور یہ ترسیل چار نہروں، نہر تسوید، نہر تجرید، نہر تشہید، نہر تظہیر کے ذریعہ ہوتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا پہلا ادراک سیدنا حضورؐ کو ہوتا ہے۔

جنت دوزخ کا مشاہدہ:

رسول اکرمؐ کو جنت دوزخ کا مشاہدہ کرایا گیا اور رب العالمین سے براہ راست ہم کلامی اور دیدار کی سعادت عظمیٰ حاصل ہوئی۔

حضرت جبرائیلؑ:

27 رجب بروز سنیچر بوقت شب محمد رسول اللہؐ حضرت ام ہانیؓ کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے۔ انہوں نے عرض کیا، ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمانوں کی سیر کے لئے بلایا ہے۔''

جبرائیل امینؑ رسول اللہؐ کو بیت اللہ شریف لے آئے۔حضورؐ کا سینہ مبارک کھولا اور آب زم زم سے قلب کو دھویا، سینہ میں نور بھرا اور سفر کے لئے براق حاضر کیا جو روشنی کی طرح تیز رفتار تھا۔

اللہ کے آخری نبیؐ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ پہنچے۔مکہ سے بیت المقدس کا راستہ سینکڑوں میل تھا جو آن واحد میں طے ہوگیا، انبیائے کرامؑ نے مسجد اقصیٰ میں سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا استقبال کیا۔ جبرائیلؑ نے اذان دی اور محمد رسول اللہؐ نے امامت فرمائی۔

قیام صلوٰۃ کے بعد دوبارہ معراج کا سفر شروع ہوا۔

سدرۃ المنتہیٰ: ساتوں آسمانوں میں انبیا سے ملاقات کرتے ہوئے جبرائیل امینؑ کے ہم راہ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔سدرۃ المنتہیٰ جبرائیلؑ کے لئے آخری مقام ہے۔

حضرت جبرائیلؑ نے عرض کیا،

''اللہ کے حبیبؐ! میں اس مقام سے آگے نہیں جاسکتا، آگے خود تشریف لے جایئے۔''

سائنسی انکشافات: رسول اللہؐ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن حکیم ماورائی علوم اور تسخیر کائنات کے فارمولوں کی دستاویز ہے۔اس کتاب میں ہر چھوٹی بڑی بات کے معنی اور مفہوم کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔قرآن حکیم میں لاکھوں سال پہلے کے، لاکھوں سال بعد میں آنے والے اور موجودہ ہر دور کے سائنسی

علوم موجود ہیں۔

زمان ومکان (Time — Space) نفی اثبات، ماضی و حال اور مستقبل، لازمانیت اور لامکانیت (Timelessness — Spacelessness) کی پوری تشریحات بیان کی گئی ہیں، علم ظاہر اور علم غیب بھی ہے۔ مثلاً ملکہ سبا کے واقعہ میں جب حضرت سلیمانؑ کو معلوم ہوگیا کہ ملکہ حاضر خدمت ہورہی ہے تو انہوں نے اپنے درباریوں کو مخاطب کر کے کہا، ''میں چاہتا ہوں کہ یہاں پہنچنے سے پہلے ملکہ کا شاہی تخت اس دربار میں موجود ہو۔'' ایک دیو پیکر جن نے کہا، ''دربار برخاست کرنے سے پہلے میں ملکہ کا تخت یہاں حاضر کرسکتا ہوں۔'' جن کا دعویٰ سن کر ایک انسان جس کے پاس ''کتاب کا علم'' تھا، بولا، ''اس سے پہلے کہ آپ کی پلک جھپکے ملکہ کا تخت آجائے گا۔'' حضرت سلیمانؑ نے رخ پھیر کر دیکھا تو دربار میں تخت موجود تھا۔

اس قصہ میں بتایا گیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے لشکر میں ایک ایسا جن تھا جو تھوڑے وقفہ میں ملکہ کا تخت تقریباً 2413 کلومیٹر دور سے دربار سلیمانی میں لاسکتا تھا۔ چوں کہ علوم میں انسان کی رسائی جنات سے زیادہ ہے لہٰذا ایک انسان نے آن واحد سے بھی کم وقفہ میں شاہی تخت حاضر کردیا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی شعوری ارتقا کے لئے دانش وروں اور مفکرین پر سائنسی علوم انسپائر کئے جس کے نتیجہ میں نئی نئی باتیں ظاہر ہوئیں، نئی نئی جدوجہد منکشف ہوئی اور انسانی شعور میں وسعت پیدا ہوئی۔

سائنسی علوم کی بدولت زمین پر چیونٹی کی ایک ایسی قسم دریافت ہوئی جو اپنے جسم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ سمندر میں ایسی مچھلیوں کا انکشاف ہوا جو تیرتے تیرتے سمندر کی سطح سے اوپر چھلانگ لگاتی ہیں تو ان کا جسم ہوا میں تحلیل ہوجاتا ہے اور وہ اپنا جسم دوسری جگہ منتقل کردیتی ہیں۔ ان کے اوپر سے ان کے ارادہ کے تحت ٹائم اسپیس کی حد بندی ختم ہوجاتی ہے۔ جب دیگر نوعوں میں جسمانی طور پر منتقل ہونے کی صلاحیت موجود ہے تو اشرف المخلوقات انسان میں زمان ومکان سے آزاد ہونے کی صلاحیت لازمی طور پر موجود ہے۔

ازل سے ابد تک اور ابدالآباد تک نوع انسانی ایک زون سے دوسرے زون میں منتقل ہورہی ہے اور ہوتی رہے گی۔ یعنی انسان جس زون میں منتقل ہوتا ہے اسی زون کے مطابق خدوخال اور احساس وکیفیات اس کے اوپر مرتب ہوجاتی ہیں اور خدوخال بن جاتے ہیں۔

روحانی نقطۂ نظر سے انسان دو کیفیات کا مجموعہ ہے۔ ایک کیفیت انسان کو زمان ومکان سے آزاد کرتی ہے اور دوسری کیفیت انسان کو زمان ومکان میں بند رکھتی ہے۔

الیکٹری سٹی: آدمی دو پرتوں سے مرکب ہے۔ ایک پرت ہمہ وقت فنا ہوتا رہتا ہے۔ اس کی ساری حرکات

fiction ہیں۔ دوسرا پرت انسان کی اصل ہے جو روشنیوں کے تانے بانے سے بنا ہوا ہے۔ یہ اصل پرت ''نقاب'' کی طرح ہے۔ عناصر سے تخلیق شدہ مادی جسم اس نقاب یا برقع میں متحرک رہتا ہے۔ نقاب الگ کر دیا جائے تو عناصر میں توانائی یک دم ختم ہو جاتی ہے۔

ہم بجلی کے تاروں کو چھوتے ہیں تو ہمیں شاک (shock) لگتا ہے۔ شاک لگنے کی وجہ یہ ہے کہ اضافی کرنٹ آدمی کے اندر دوڑنے والی بجلی میں ''وائبریشن'' کو تیز کر دیتا ہے۔ یہ وائبریشن پورے جسم کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔

اگر آدمی کے اندر کام کرنے والی بجلی کا voltage کم ہو تو آدمی گر جاتا ہے اور بے ہوش بھی ہو سکتا ہے۔ آدمی جب اپنے اندر دور کرنے والی بجلی ''نسمہ'' سے واقف ہو جاتا ہے تو وہ بجلی کے بہاؤ کو روک سکتا ہے اور اپنے اندر زیادہ سے زیادہ بجلی کے وولٹیج کا ذخیرہ بھی کر سکتا ہے، اس کے اندر اتنی سکت بڑھ جاتی ہے کہ اپنے اندر ''سلطان'' (مخفی صلاحیت) سے آسمان و زمین کے کناروں سے باہر نکل سکتا ہے۔

اولیاء اللہ کے بے شمار واقعات کتابوں میں درج ہیں کہ انہوں نے آسمانوں کی سیر کی۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

''اے گروہ جن و انس! اگر تم آسمان و زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل کر دکھاؤ، نہیں نکل سکتے مگر سلطان کے ساتھ۔'' (الرحمٰن: ۳۳)

اس آیت میں اللہ نے انسان کی اس صلاحیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ صاحب علم الکتاب، باعث تخلیق کائنات، تسخیر کائنات کے معلم سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ معراج میں یہی حکمت اور علم مخفی ہے۔

تجلی کا پردہ: اللہ نے ہر شے کو احاطہ کیا ہوا ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روحانی، جسمانی اور عملی تصدیق میں خود کو ساری زندگی اللہ کے ارادہ کے تابع (dependant) رکھا۔ اللہ تعالیٰ کی مہر خاص سے حضور اکرمؐ تجلی کے امین ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ کو قربت عطا فرمانے کے لئے پوری فضا کو پُرنور کر دیا۔ سات آسمان تجلیات سے جگمگا اٹھے۔ حضرت جبرائیلؑ کی معیت میں اللہ کے برگزیدہ بندوں اور انبیائے کرامؑ نے مبارک باد دے کر تجلیات کے انوار و برکات کا ذخیرہ منتقل کیا۔ ''نور علیٰ نور'' اللہ کے دوست حضرت محمدؐ، اللہ کے قریب ہو گئے، یہاں تک کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم۔ اللہ نے اپنے محبوبؐ کو اپنے پاس بلا کر جو دل چاہا باتیں کیں۔ دل نے جو دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا۔ اللہ کے محبوبؐ کا ارشاد ہے کہ،

''میں نے اس سفر میں چار نہروں کا معائنہ کیا ان میں سے دو ظاہر نظر آتی ہیں اور دو باطن میں بہتی ہیں۔''

سیدنا حضورؐ کے وارث، علم لدنی کے حامل حضرات اولیاء اللہ سے منقول ہے کہ،

''انسان اللہ کی صفات کا پرتو ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت نور ہے اور نور تجلی کا عکس ہے۔''

''اللہ سماوات اور ارض کا نور ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق، اس میں ایک چراغ، چراغ ایک شیشہ میں، شیشہ جیسے ایک تارا چمکتا، تیل جلتا ہے اس میں برکت کے ایک درخت زیتون کا۔ نہ مشرق کی طرف نہ مغرب کی طرف، لگتا ہے کہ وہ سلگ اٹھے ابھی، چاہے نہ لگی ہو اس کو آگ۔ 'نور علیٰ نور'۔ اللہ ہدایت بخشتا ہے اپنے نور سے جس کو چاہے اور اللہ لوگوں کو مثالیں دے کر بتاتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔'' (النور: ۳۵)

نور کی شعاعیں:

نور اوّل: انسان کی تخلیق اللہ کے نور سے ہوئی اور سب سے پہلے اللہ نے محمد رسول اللہؐ کا نور تخلیق کیا۔ انسان نور (روشنی) ہے اور روشنی کے انسان کے اندر کھربوں جنریٹر کام کرتے ہیں ان جنریٹر کو چار نور کی شعاعیں سیراب (Feed) کرتی ہیں۔

۱۔ نہر تسوید
۲۔ نہر تجرید
۳۔ نہر تشہید
۴۔ نہر تظہیر

ایک ذات اور کل ذات کے درمیان تجلی ایک پردہ ہے۔ کل ذات سے مشیت الٰہی محمدؐ پر نزول کرتی ہے اور یہ ترسیل چار نہروں، نہر تسوید، نہر تجرید، نہر تشہید، نہر تظہیر کے ذریعہ ہوتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا پہلا ادراک سیدنا حضورؐ کو ہوتا ہے۔ حضورؐ کے توسط سے مشیت کے معاملات بیت المعمور میں منتقل ہوتے ہیں، جہاں ملائے اعلیٰ ان احکامات کو نشر (inspire) کرتے ہیں۔ یہ انسپائریشن ملائکہ سماوی قبول کرتے ہیں۔ ملائکہ سماوی قضاوقدر کے ان احکامات کو نشر کرتے ہیں تو ملائکہ ارضی قبول کرتے ہیں اور مخلوق کو انسپائر کرتے ہیں۔ جنات اور انسان اس انسپائریشن کو اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات سے قبول یا رد کرتے ہیں۔

ہماری محسوساتی دنیا اچھائی اور برائی کے تصور پر قائم ہے۔ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ مثلاً آگ کا کام جلانا ہے۔ کھانا پکانے میں آگ کا وصف یہ ہے کہ پانی کو جوش دے کر جلا دیتی ہے اور پانی بھاپ میں تبدیل ہونے سے کھانا تیار ہو جاتا ہے۔ یہ کام بہترین اور صحیح عمل ہے۔ اس لئے کہ اللہ کی مخلوق کو کھانا فراہم ہوتا ہے۔ اس کے برعکس آگ سے کسی کا گھر جلا دیا جائے۔ یہ کام اللہ کے نزدیک بدترین عمل ہے۔ اس لئے کہ اس میں تخریب ہے۔ آگ کا وصف دونوں جگہ موجود ہے لیکن ایک عمل نیکی ہے اور دوسرا عمل برائی ہے۔

قلم: علمِ قلم اور علمِ لوح کے عارف و امین حضورؐ ہیں اور اللہ تعالیٰ ـــ رب العالمین ہیں۔ اللہ تعالیٰ وسائل کو تخلیق کرتے ہیں۔ رسول اللہؐ رحمت کے ساتھ وسائل

تقسیم کرتے ہیں۔ تجلی کے امین حضرت محمدؐ کی قوت پرواز برق رفتار ہے کہ جسد مبارک ٹائم اور اسپیس کی حد بندیوں سے آزاد ہے، نہ صرف آزاد ہے بلکہ ٹائم اسپیس حضور اکرمؐ کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے محبوبؐ کو شرف ملاقات کے لئے مقام محمود میں بلایا تو ٹائم اسپیس سمٹ کر ''Less ness'' ہوگئی۔

زمان و مکان ارض کے تابع ہے۔ ارض کی سطح اسپیس ہے اور ارض پر حرکت ٹائم ہے۔ ہم جب چلتے ہیں تو ایک پیر اٹھا کر دوسرا پیر زمین پر رکھتے ہیں۔ دوسرا پیر خلا میں سے گزر کر زمین پر آتا ہے۔ اگر دوسرا قدم خلا میں نہ تیرے تو چلنا ممکن نہیں ہے۔

ہر آدمی اپنے اختیار سے رفتار کم یا زیادہ کرسکتا ہے، مثلاً ایک آدمی ٹہلتا ہے، دوسرا تیز قدم چلتا ہے، تیسرا دوڑتا ہے، چوتھا سائیکل پر سوار ہوتا ہے، پانچواں موٹر کار میں سفر کرتا ہے، چھٹا aeroplane میں پرواز کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے اسپیس اور ٹائم کو مسخر کردیا ہے اسی تسخیر سے وہ زمین پر اور فضا میں حسب منشا رفتار سے سفر کرتا ہے۔

پیغمبر آخر الزماںؐ کے ''نور'' سے ساری کائنات تخلیق ہوئی ہے۔ اس حکمت الٰہیہ کے پیش نظر محمدؐ کو زمین، آسمانوں اور کائنات پر تصرف کرنے کا اختیار ہے۔ جب حضورؐ معراج پر تشریف لے گئے، ان کے ارادہ کے تحت براق کی رفتار لامحدود ہوگئی اور کروڑوں سال آن واحد میں تحلیل ہوگئے۔

ایک انسان پارک میں ایک گھنٹے میں تین میل سیر کرتا ہے، دوسرا انسان ہوائی جہاز میں ایک گھنٹے میں ہزاروں میل کا فاصلہ طے کرلیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور تسخیر کردیا تمہارے لئے جو کچھ سماوات اور زمین میں ہے سب کا سب اپنی طرف سے۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں نشانیاں ہیں۔''

(الجاثیہ:۱۳)

''کیا تم نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو تمہارے لئے مسخر کردیا اور تم پر اپنی نعمتیں ظاہر میں اور باطن میں کمال کو پہنچادیں۔ اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کے بارے میں بغیر علم، بغیر ہدایت اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتا ہے۔'' (لقمٰن: ۲۰)

''کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے ان تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں اور کشتیوں کو جو اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہیں، تمہارے بس میں کردیا۔'' (الحج:۶۵)

''اللہ وہ ہے جس نے سمندر کو تمہارے بس میں کردیا تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں اس میں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر گزار بنو۔'' (الجاثیہ:۱۲)

''اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو مسخر کردیا۔''

(ابرٰہیم:۳۳)

تین روحیں: حضورؐ فرماتے ہیں،

''میں نے معراج کے سفر میں چار نہروں کا معائنہ کیا۔''

چار نہروں سے تین روحیں وابستہ ہیں۔

۱۔ روح اعظم

۲۔ روح انسانی

۳۔ روح حیوانی

سیدنا حضورؐ کے وارث اولیاء اللہ جنہیں رسول اکرمؐ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ نے علم لدنی عطا فرمایا ہے، بتاتے ہیں،

روح اعظم کے دو رخ ہیں — اخفیٰ ۔ خفی۔

روح انسانی کے دو رخ ہیں — سرّی ۔ روحی۔

روح حیوانی کے دو رخ ہیں — قلب ۔ نفس۔

ان برگزیدہ ہستیوں نے کائنات کے تین درجے بیان کئے ہیں۔

★ کائنات کی معلومات کا ریکارڈ۔

نور مطلق ۔ نسمہ مطلق ۔ ثابتہ ۔ روح اعظم

★ زندگی کی تشکیل کے احکامات

نور مفرد ۔ نسمہ مفرد ۔ اعیان ۔ روح انسانی

★ انفرادی اعمال کا ریکارڈ

نسمہ مرکب ۔ عالم جو ۔ روح حیوانی

''اخفیٰ'' کا مقام سر کے درمیان (ام الدماغ) ہے۔ اس کا رنگ بنفشی ہے۔ ''خفی'' کا مقام دونوں ابروؤں کے درمیان پیشانی پر ہے۔ اس کا رنگ نیلا ہے۔ ''سرّی'' کا مقام سینہ کے درمیان ہے۔ اس کا رنگ سبز ہے۔ ''روحی'' کا مقام سینہ کے دائیں طرف ہے اس کا رنگ زرد ہے۔ ''قلب'' کا مقام سینہ کے بائیں طرف ہے اس کا رنگ نارنجی ہے۔ ''نفس'' کا مقام ناف کی جگہ ہے۔ اس کا رنگ سرخ ہے۔

''اخفیٰ'' میں علم الٰہی کی تجلی، اللہ کی مصلحت اور اسرار و رموز کا ریکارڈ ہے۔ انہیں خفی کی روشنی میں پڑھا جا سکتا ہے۔ ''سرّی'' میں فرد کے متعلق احکامات لوح محفوظ کے تمثلات کی شکل میں محفوظ ہوتے ہیں۔ لوح محفوظ کے اوپر نوعی ریکارڈ لطیفہ روحی کی روشنی میں پڑھا جا سکتا ہے۔ لطیفہ قلبی میں انسان اپنے اعمال کا مشاہدہ کرتا ہے ان اعمال کو لطیفہ نفسی کی روشنی میں پڑھا جا سکتا ہے۔

ساڑھے گیارہ ہزار تجلیات: روح اعظم سے واقف بندہ اللہ تعالیٰ کی تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ (آخری قسط)

جو راحت دل سکون جاں ہے وہ ذکر ذکرِ محمدیؐ ہے

کرم کے بادل برس رہے ہیں دلوں کی کھیتی ہری بھری ہے
یہ کون آیا کہ ذکر جس کا نگر نگر ہے گلی گلی ہے
یہ کون بن کر قرار آیا یہ کون جانِ بہار آیا
گلوں کے چہرے ہیں نکھرے نکھرے کلی کلی میں شگفتگی ہے
دیے دلوں کے جلائے رکھنا نبیؐ کی محفل سجائے رکھنا
جو راحتِ دل سکونِ جاں ہے وہ ذکر ذکرِ محمدیؐ ہے
نہ مانگو دنیا کے تم خزینے چلو نیازی چلو مدینے
کہ بادشاہی سے بڑھ کے پیارے نبیؐ کے در کی گداگری ہے

(کلام: عبدالستار نیازی)

حضرت مولانا محمد ادریس انصاریؒ
(صادق آباد)

مشیت الٰہی

جب اللہ تعالیٰ دنیا میں کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کی تکمیل کے لئے اپنی مخلوق میں سے کسی نہ کسی کو منتخب کر کے اس کے دل میں اس کام کی لگن لگا دیتا ہے۔

محمد عربیؐ کہ آبروئے ہر دوسراست
کسے کہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ اُو

ترجمہ: حضرت محمد عربیؐ ہر دو جہاں کی آبرو ہیں۔ اگر کوئی آپؐ کے در کی خاک نہیں ہے تو اس کے سر پر خاک!

آدمیوں کو اللہ کی بندگی سکھانے، انہیں زیور اخلاق سے آراستہ کرنے، انہیں انسانیت کے ساتھ دنیا میں رہنے کی قولی، قلمی تعلیم دینے کا سلسلہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ خود آدمی قدیم ہے۔ انسان چوں کہ اپنی سرشت کے لحاظ سے مجموعۂ صفات ہے۔ اس میں ایسی صفات بھی ہیں جن کو وہ اختیار کر کے فرشتوں کی صفوں میں جا بیٹھے — اور ایسی خصلتیں بھی ہیں جنہیں اختیار کرنے پر وہ درندوں سے بھی بدتر ہو جائے۔

صورت، ناک نقشہ کے لحاظ سے سب آدمی ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں مگر سیرت کے اعتبار سے ایک دوسرے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو آنکھ ناک، حیوانات کی بھی ہوتی ہے اور انسان کی بھی — مگر انسان کو بصیرت، خدا شناسی، تقویٰ و پرہیز گاری اور قلبی صلاحیتوں کے باعث حیوانات پر ہی نہیں — فرشتوں پر بھی شرف و امتیاز حاصل ہے۔

ز نور چشمِ سر چیزے نیاید
دلے را نور چشمے می بباید
کہ عیسیٰؑ را و خر را چشم سر بود
مگر چشمِ دلِ عیسیٰؑ دگر بود

ترجمہ: ظاہری آنکھ کی بینائی سے کوئی چیز نہیں ملتی۔ دل کی آنکھ بیدار ہونی چاہئے۔ ظاہری آنکھ تو حضرت عیسیٰؑ کی طرح ان کے گدھے کے پاس بھی تھی مگر حضرت عیسیٰؑ کی دل میں آنکھ بیدار تھی۔

آنکھ کی بینائی سے انسان کی عزت نہیں بنتی۔ ہاں دل کی بینائی اسے عظمت کے تخت پر بٹھاتی ہے اور عزت کا تاج پہناتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے دل میں آنکھ نے انہیں وہ مقام بخشا کہ کروڑوں انسانوں

کے نور نظر بن گئے۔

دراصل انسان اپنے اخلاق، علم وحلم، جود وسخا، عفو و درگزر، ایثار ومحبت سے انسانیت کا مقام پاتا ہے اور یہ خوبیاں اوران جیسی دوسری صفات انسان کا ایسا جوہر ہے جس کے باعث اس کا ماحول پُر بہار اور زندگی خوش گوار بن جاتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کے سکھائے ہوئے اخلاق پر عمل کر کے ہی انسانی معاشرہ ظلم و استبداد اور ہر طرح کے استحصال سے پاک ہوکر امن و سلامتی کا معاشرہ بن سکتا ہے۔

اور جو آدمی یہ صفات اور ایسے اخلاق اختیار نہیں کرتے، ان کا معاشرہ درندوں سے بدتر معاشرہ، ان کی دنیا دکھ درد کی دنیا اوران کا ماحول — بدقسمت ماحول ہوتا ہے۔

بے ادب تنہا نہ خودرا داشت بد
بلکہ آتش در ھمہ آفاق زد

ترجمہ: بے ادب صرف اپنی ذات کے لئے برائی نہیں لاتا بلکہ وہ تو سارے عالم میں بربادی کی آگ پھیلانے والا ہے۔

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ لوگوں کی سیرت سازی پر توجہ فرمائی۔ اسی طرح وارثین انبیا — اولیائے کرام بھی اپنی اور اپنے ماحول کی سیرت بنانے پر جان کھپانے کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کو تزکیۂ نفوس، تحلیۂ اخلاق اور طہارت قلوب کا درس دیتے ہیں۔

جب تک اللہ نہ چاہے نہ کوئی کام بنتا ہے نہ کوئی بات۔ نہ کوئی پتا ہلتا ہے نہ ذرّہ۔ ہاں اس کی مشیت و چاہت اسباب کی منزلوں سے گزر کر نمودار ہوتی ہے۔

کارِ زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت راتہمتے بر آہوئے چین بستہ اند

ترجمہ: مشک بکھیرنا تو درحقیقت تیری زلف کا کام ہے لیکن عاشق لوگ مصلحت کی خاطر یہ کہہ دیتے ہیں کہ مشک چینی ہرن کے نافہ سے نکلتی ہے۔

جب اللہ دنیا میں کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کی تکمیل کے لئے اپنی مخلوق میں سے کسی نہ کسی کو منتخب کر کے اس کے دل میں اس کام کی لگن لگا دیتا ہے۔ پھر اس کے وجود میں آنے کے لئے اسباب بناتا ہے اور اپنی توفیق کام کرنے والے کے شاملِ حال کر دیتا ہے۔

اگر وہ کام محنت چاہتا ہے تو اس کے لئے محنت والے کا انتخاب ہوتا ہے۔ اور اگر اس کام کو ثروت و دولت درکار ہوتی ہے تو کسی دولت مند اور صاحب ثروت کو اس پر خرچ کرنے کی محبت اور اس کے دل میں کام کی رغبت پیدا کر دیتا ہے۔ آخر اللہ کی عنایت سے یہ کام مکمل ہوجاتا ہے اور اس کام کی شکل میں اللہ کی مشیت ظاہر ہوجاتی ہے۔

دنیا میں تم جس کام اور جس مخلوق کو دیکھو، سمجھو کہ اللہ نے اس کے بنانے کا ارادہ فرمایا اور یہ بن گیا۔ یعنی یہ

کام اور یہ مخلوق اس کی مشیت کی صورت ہے۔

مخلوق کو دیکھ کر خالق کی معرفت اور اس تک پہنچنے کا یہی مطلب ہے۔ اہل طریقت اسی کو ہمہ اوست یا ہمہ از وست کہتے ہیں۔ غرضے کہ عالم میں جو کچھ بنا ہے، اللہ کے ارادہ اور مشیت سے بنا ہے۔

نہ میں ہوں، نہ وہ ہے، نہ کوئی جہاں میں
تو ہی کارکن ہے زمین و زماں میں

احب مناجات الحبیب باوجہ
ولکن لسان المذنبین کلیل،
ولو انّ نفسی مذ براء ھا ملیکھا
مضیٰ عمرھا فی سجدۃ لقلیل

ترجمہ: میں چاہتا ہوں اپنے یار کو اپنے دل کا حال پوری طرح سنادوں لیکن میں قصوروار ہوں اور گناہ گار کی زبان شرم وندامت کے باعث حقیقت حال کہنے سے قاصر ہے۔ اور اگر میں شکر کے واسطہ اس وقت سے سجدہ میں پڑا رہوں جب سے میرے اللہ نے مجھے پیدا کیا ہے تو اس کی نعمتوں کے شکر کے مقابلہ میں میرا ساری عمر سجدہ میں پڑا رہنا بھی کم ہے۔

زعجز خویش می گو یم کہ اے پاک
توئی معروف، عارف ما عرفناک

ترجمہ: اے پاک ذات! ہم تو عاجزی سے یہی کہتے ہیں کہ آپ ہی عارف اور آپ ہی معروف ہیں یعنی آپ خود ہی اپنی ذات کو جاننے والے ہیں، ہم نے معرفت کا حق ادا نہیں کیا۔

طَبَقَات، طَبَقَة کی جمع ہے۔ طبقہ کے معنی درجہ، مرتبہ کے ہیں۔ الصوفیہ، صوفی کی جمع ہے۔ عبادت گزاروں کی جماعت کو صوفیہ کہتے ہیں۔ اہل اسلام کے نزدیک صوفی وہ ہے جو خود کو فنا کر کے اللہ سے جڑ جائے۔ نفس کی بندگی چھوڑ کر اللہ کا بندہ بن جائے۔ اس میں اعلیٰ درجہ کا اخلاص ہو۔ نیز حقائق کے ادراک کی استعداد اور صلاحیت بھی ہو۔

یعنی صوفی وہ ہے جو اپنی غرض سے بے غرض اپنی ذات اور ذاتیات سے بے نیاز ہو۔ گویا صوفی وہ ہے جو صبغت اللہ میں رنگین ہو جائے۔ اس کا کام — اللہ کے قانون کے مطابق ہو۔ اس کی محبت ونفرت، دینا نہ دینا اپنی غرض ومطلب کے لئے نہ ہو بلکہ اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضا کے لئے ہو۔

جناب رسول اللہؐ نے فرمایا،

''جس نے محبت رکھی اللہ کے واسطہ اور نفرت رکھی اللہ کے واسطہ، اور دیا اللہ کے واسطہ اور روک لیا اللہ کے واسطہ، ایسا آدمی تکمیل ایمان کے مقام پر پہنچ گیا۔''

پس صوفی کا مال اللہ کے لئے، اس کی جان اللہ کے لئے، اس کی محبت ونفرت اللہ کے لئے ہو۔ وہ اللہ کے خوف میں جئے اور اس کے شوق میں مر جائے۔ خودی چھوڑ کر اللہ کا ہو رہے اور مخلوق چھوڑ کر خالق کا ہو جائے اور اس کی زندگی نقشہ ہو اس آیت کا،

"کہو بے شک میری نماز، "جانی عبادتیں" اور قربانی، "مالی عبادتیں" اور جینا مرنا خالق اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔" (الانعام:۱۶۲)

ہوسکتا ہے کہ صوفی صافی سے بنا ہو، اور صافی اسے کہتے ہیں جو ملاوٹ سے صاف ہو جیسے غلہ کوڑے کرکٹ سے صاف ہو۔ کپڑا میل کچیل سے صاف ہو۔ اسی طرح صوفی وہ ہے جس کی نظر اور نیت غیر اللہ سے صاف ہو۔ اس کی غرض اللہ کی رضا ہو۔ وہ اللہ کا ہو رہے۔ اس کی سنے اور اسی کی بات کرے۔

دل پر نور را دریائے دین کن
حدیث وحی رب العالمین کن
دمے در عالم قدسی قدم زن
بگیر آں حلقہ را بر در حرم زن

ترجمہ: اپنے نورانی دل کو دین کا دریا بنا لے اور اپنی زبان کو خدا کا پیغام سنانے والی بنا۔ کبھی عالم قدسی میں قدم رکھ کر، حرم الٰہی کے دروازہ پر جا کر اس کی کنڈی کھٹکھٹا تا کہ اس سے تیری ملاقات ہو۔

سب سے منقطع ہو کر صرف اللہ سے اپنا تعلق جوڑنے کے جو ثمرات و برکات ہیں، اس حدیث میں ان کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ترجمہ،

"جو کوئی مخلوق سے توقع ہٹا کر اللہ سے توقع قائم کرے، اللہ اسے مشقت سے آزاد کر دیتا ہے اور اسے ایسے ذریعہ سے رزق پہنچاتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو۔ اور جو اللہ کو چھوڑ کر دنیا کا ہو رہے گا وہ دنیا کے جھمیلوں میں پڑ جائے گا۔"

جو بندہ خالق کی خوشنودی کی فکر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ساری محنتوں اور تھکاوٹوں کو دور کر دے گا۔ یعنی روزی کمانے کے لئے عام آدمی کو جو محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس محنت و مشقت سے بچالے گا اور بے محنت و مشقت ہی اللہ تعالیٰ اس کو رزق پہنچائے گا اور اس کی ضروریات پوری کرے گا۔ اس کے علاوہ اپنی قدرت سے اس کا مقدر میں لکھا ہوا رزق اسے ایسی جگہ سے پہنچائے گا جہاں اس کے آنے کا اسے گمان نہ ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے، اللہ بے اسبابی میں اس کے لئے اسباب بنا دیتا ہے۔

تونگری بدل ست نہ بہ مال

ترجمہ: اصل غنا (تونگری) دل سے ہوتا ہے، مال و دولت سے نہیں۔

جس کے دل میں یہ یقین پختہ ہو جائے کہ میری روزی اللہ بہرحال مجھے پہنچائے گا، وہی تونگر ہے — نہ وہ جو مال پر بھروسا رکھے اور دولت پر تکیہ کر لے۔

خوش نصیب —؟

ایک شخص قبرستان سے گزر رہا تھا۔ فاتحہ پڑھنے کا خیال آیا۔ وہ رکا، دعا کی اس کے بعد خود سے بولا، خوش نصیب ہیں، دنیا کے جھمیلوں سے آزاد سکون سے سو رہے ہیں۔ آواز آئی — ہم نہیں، آپ سو رہے ہیں۔ ہم تو سونے کی سزا بھگت رہے ہیں!

گلِ نسرین

ہر شے ایک نہیں دو ہیں
نظر دو کو ایک دیکھتی ہے

مسافر نے سوچا، اگر پرندوں کی دنیا ملکیت کے تصور سے آزاد ہے تو میں بھی اس دنیا میں رہتا ہوں جس کے وہ مکین ہیں۔ پرندے ہجرت میں ہیں اور ایک دن میں بھی اگلے اسٹیشن کے لئے رختِ سفر باندھ لوں گا۔ پھر پرندے پُرسکون اور میں مضطرب کیوں ہوں؟

روشنیوں کے دیس سے ایک مسافر رنگوں کی دنیا میں آیا۔ نیا ماحول اور لوگوں سے نامانوس ہونے کی وجہ سے سخت بے چینی اور گھبراہٹ تھی۔ اس سے قبل وہ آزاد فضا کا مکین اور دسترس ہر گوشہ پر تھی۔ روشنیوں کی دنیا دائرہ میں بند لیکن اس کے لئے نقطہ تھی۔ دائرہ بھی روشنی تھا۔ چوں کہ تربیت کے لئے سفر ضروری تھا کہ سفر اور صعوبت کا ساتھ ہے لہٰذا ایک مقام ایسا آیا جہاں قیام کے دوران کثافت زیادہ ہونے سے سانس لینا مشکل ہوگیا۔ وہ محض لطافت اور خوش بو سے مانوس تھا، یہاں پہنچ کر کثافت اور بدبو دیکھی۔ اگلے سفر کا وقت طے ہونے تک وہ یہاں ٹھہرنے کا پابند تھا — گھٹن زدہ ماحول میں خود کو بے بس محسوس کرتے ہوئے بالآخر رونے لگا۔

آہ وزاری بلند ہوئی تو آس پاس موجود رنگوں کی دنیا کے افراد کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس سے قبل مسافر کو خاموش اور بے حرکت دیکھ کر چہرے افسردہ اور مایوس تھے۔ تھپکی دے کر ہلانے کی کوشش کی تو مسافر جو سکتہ کی کیفیت میں تھا، ہوش میں آکر زار و قطار رونے لگا۔ لوگ خوش ہوگئے کہ مسافر زندہ ہے۔

پاس موجود لوگوں نے اس کی دل جوئی کی، کھانے پینے کا بندوبست کیا، نرم و ملائم دل کو لبھانے والا لباس پہنایا جسے پہن کر مسافر کو احساس ہوا کہ وہ قید میں ہے۔ وہ یہاں سے فرار چاہتا تھا لہٰذا چند لقمے لیتے ہی آنکھیں بند کرلیں اور ایک بار پھر روشنی کی دنیا سامنے آگئی، اس کیفیت کو دائمی سمجھ کر وہ پُرسکون ہوگیا— لوگوں نے سمجھا کہ سو رہا ہے۔

کچھ دیر بعد شور و غل سے سکون میں ارتعاش ہوا، غیر اختیاری طور پر آنکھیں کھل گئیں۔ نظر روشنیوں میں رہنے کی وجہ سے رنگوں کو دیکھنے کی عادی نہیں تھی۔ لہٰذا رنگوں کی جگہ اس نے خلا دیکھا اور بے چین ہو کر آہ وزاری کی۔ لوگوں نے اپنی طرف متوجہ کیا، آس پاس

موجودگی کا احساس ہوکر مسافر پردہ رکھنے کے لئے خاموش ہوگیا اور خلا میں دنیا تلاش کرنے لگا۔ مسافر کو مطمئن رکھنے کے لئے بھیجنے والے نے یہ انتظام کیا کہ اس کا تعلق روشنیوں کی دنیا سے برقرار رکھا تاکہ گھر سے دور دل سفر میں لگا رہے۔

رفتہ رفتہ نئی جگہ اور لوگوں سے انسیت ہونے سے یادداشت سے یہ بات حذف ہوگئی کہ وہ مسافر، یہ سفر اور رنگوں کی دنیا مسافر خانہ ہے — اسے یہاں سے جانا ہے۔ رونا دھونا ختم ہو چکا تھا۔ رنگوں میں دل چسپی لی، زبان اور قوانین سیکھے، رشتہ داریاں بنیں، دوست احباب کا حلقہ بڑھا اور بالآخر مسافر رنگوں کی دنیا میں رنگ گیا۔ اب اسے یہاں کا ہر رنگ نظر آتا تھا لیکن روشنی نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی اور روشنی کی جگہ وہ خلا دیکھتا۔ سمجھتا کہ خلا — فضا ہے جو غیر مرئی گیسوں سے بنی ہے اور وہ ان گیسوں میں سانس لیتا ہے۔

اہم بات یہ تھی کہ روشنیوں سے قطع تعلق کے باوجود اس کا ربط روشنی کی دنیا سے برقرار تھا کیوں کہ بنیاد روشنی تھی لیکن احساس نہ ہونے کی وجہ سے بنیاد سے ربط نظروں سے اوجھل تھا۔ یہاں سے آنکھیں بند کر لینے کے بعد جب غیر ارادی طور پر اندر دیکھتا تو نظر کے زاویہ میں رنگوں کے غلبہ کی وجہ سے اندر کی دنیا بھی رنگین نظر آتی — روشنی اب مکمل طور پر بھول کے خانہ میں جا چکی تھی۔

سرائے میں قیام کو آدھی سے زیادہ مدت گزر گئی۔ رشتہ داریاں گہری ہوگئی تھیں اور مسافر نے سرائے نما مملکت میں مکان خرید لیا تھا اور جائیداد بھی بنالی۔ مگر یہ عمر کا وہ دور تھا جب رنگ ماند دکھائی دیئے، دل بے دل رہنے لگا۔ تغیر سے بار بار گزر کر اب مسافر کو رنگوں کی دنیا بے رنگ نظر آنے لگی۔

ایک روز تنہا بیٹھا زندگی کے سود و زیاں کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ قریب موجود چھوٹے درخت پر ہجرت کرنے والے پرندوں کا غول آکر بیٹھا۔ مقامی پرندوں نے ان کا استقبال کیا، خوب خاطر مدارات کی اور اپنے درختوں پر قیام کا بندوبست کیا۔ درخت پھلوں اور پھولوں سے رنگین تھا۔

خوب صورت گھونسلے، کھانے پینے کا سامان، ارد گرد حسین قدرتی مناظر، پانی کے جھرنے، معطر ہوا — دل لبھانے کے لئے سب کچھ میسر تھا۔ کچھ دیر قیام کے بعد ہجرت کرنے والے پرندوں نے اگلی منزل کی جانب اڑان لی۔ آسائشوں کے باوجود کسی نے درخت کو دائمی مسکن نہیں سمجھا اور وسائل سے ہنسی خوشی لطف اندوز ہوکر اگلی منزل کی جانب روانہ ہوگئے۔ مقامی پرندے بھی آشیانوں کو لوٹ گئے۔

جب درخت نہیں تھا تو یہاں پرندوں کا بسیرا بھی نہیں تھا لیکن جیسے ہی درخت تناور ہوا — پرندوں نے اسے مسکن بنالیا۔ جو یہاں آتا جلد یا بدیر اگلے سفر کو روانہ ہوجاتا، جس کی باری بعد میں آتی، وہ اپنے سے پہلے

ہجرت کرنے والوں کی میزبانی کے فرائض انجام دیتا۔ جس نے پہلی دفعہ یہاں گھونسلے بنائے تھے، وہ اسے ملکیت سمجھے بغیر بخوشی آنے والوں کے لئے چھوڑ گئے۔ موسم کے تغیر سے آشیانہ کو نقصان پہنچتا تو درختوں کے نئے مکین اپنے قیام اور بعد میں آنے والوں کے لئے گھونسلے کو مزید مضبوط کر جاتے۔ غرض یہاں رہنے والا ہر پرندہ جانتا تھا کہ درخت اگلے سفر کی پرواز کے لئے مسافر خانہ ہے۔

مسافر کے ذہن میں جھما کا ہوا۔ ماضی کے دریچوں سے ایک ورق حافظہ پر نقش ہوگیا۔ دیکھا کہ وہ بھی ہجرت کر کے آیا ہے اور مختصر قیام کے بعد آگے بڑھ جائے گا، درخت کی طرح یہ جگہ سرائے ہے جسے مسکن سمجھ کر بھول گیا ہے کہ وہ مسافر ہے۔

ایک اور جھما کا ہوا۔ روشنی دماغ کے خانوں سے ٹکرائی اور ادراک ہوا کہ پرندے خالی ہاتھ آئے، جن وسائل سے انہوں نے استفادہ کیا، وہ اسٹیشن پر پہلے سے موجود تھے۔ قیام کے دوران کسی کو مال ومتاع کی فکر نہیں تھی جیسے ان میں ملکیت کا تصور موجود نہ ہو اور ان کی دنیا آزاد ہے۔ سب کچھ ہونے کے باوجود وہ یہاں کی رنگینوں میں نہیں کھوئے، مل بانٹ کر وسائل استعمال کئے اور ہنسی خوشی خالی ہاتھ آگے بڑھ گئے۔

بابا بلھے شاہؒ فرماتے ہیں،

تو کدھروں آیا کدھر جانا اپنا دس ٹکانا
جس ٹھانے داتو مان کریں تیرے نال نہ جاسی ٹھانا
ظلم کریں تے لوک ستاویں کسب پھڑ یولُٹ کھانا
محبوب سبحانی کرے آسانی خوف جائے ملکانا
شہر کھموشاں دے چل وسیئے جتھے ملک سمانا
بھر بھر پور لنگھاوے ڈاڈھا ملک الموت مہانا
کر لے چاوڑ چار دیہاڑے اوڑک توں اٹھ جانا
اینہاں سبھناں تھیں اے بلھا اوگنہار پرانا
تو کدھروں آیا کدھر جانا اپنا دس ٹکانا

ترجمہ: اے بندہ! تو کہاں سے آیا ہے اور تجھے کہاں جانا ہے، کیا تجھے اپنا مقام معلوم ہے ــــ؟ جس مقام پر تو فخر کرتا ہے وہ سب طاقت کے مراکز تمہارے ساتھ نہیں جائیں گے۔ تو ظلم کر کے لوگوں کو ستاتا ہے اور لوٹ کر کھانے کو وتیرہ بنالیا ہے۔ وہ اللہ کا پیارا محبوب اگر آسانیاں پیدا کرے تو سارے خوف جاتے رہیں گے۔ آؤ چل کر شہر خموشاں میں بس جائیں جو اصل آبادی ہے۔ طاقت ور ملاح ملک الموت بھر بھر کر کشتیاں اس پار اتار رہا ہے۔ چار دن ہنسی خوشی گزار لے، بالآخر تمہیں بھی یہاں سے جانا ہے۔ ان سب لوگوں میں بلھے شاہ زیادہ گناہ گار ہے۔ اے بندہ! تو کہاں سے آیا ہے، اور تجھے جانا کہاں ہے، کیا تجھے اپنا ٹھکانا معلوم ہے ــــ؟

مسافر نے سوچا، اگر پرندوں کی دنیا ملکیت کے تصور سے آزاد ہے تو میں بھی اس دنیا میں رہتا ہوں جس کے

وہ مکین ہیں۔ پرندے ہجرت میں ہیں اور ایک دن میں بھی اگلے اسٹیشن کے لئے رخت سفر باندھ لوں گا۔ پھر پرندے پُرسکون اور میں مضطرب کیوں ہوں؟

''تمہیں یقین نہیں ہے کہ وسائل اگلے اسٹیشن پر بھی موجود ہیں۔تمہارا کام وسائل جمع کرنا نہیں، انہیں تلاش کرنا ہے جس طرح پرندے دور دراز کا سفر کر کے اس درخت تک پہنچے۔تم نے مختصر قیام کو مسکن جان لیا ہے، ذخیرہ اندوزی کر کے سمجھتے ہو کہ بچپن کے بعد جوانی اور جوانی کے بعد بڑھاپا بھی آئے گا یہ جانتے ہوئے کہ کل کس نے دیکھی ہے۔''

آواز بے آواز لیکن جانی پہچانی تھی مگر مسافر دیکھ نہیں سکا۔

''میں 'زندگی' کہیں اور نہیں، تمہارے اندر ہوں۔ تم مجھے محسوس کرتے ہو، نظر انداز کرنے کی وجہ سے دیکھ نہیں سکتے۔ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جب تم مجھے دیکھ سکتے تھے اور میری آغوش میں آ کر پرسکون ہو جاتے تھے لیکن اب ــــ؟''

مسافر سنبھل کر بیٹھ گیا اور تعجب سے بولا، میں نے کب اور کیوں نظر انداز کیا؟ اور اس وقت جب میری توجہ تم پر ہے، میں تمہیں کیوں نہیں دیکھ سکتا؟

زندگی نے پوچھا،''تمہیں تو یہی نہیں معلوم کہ میں کون ہوں اور میری آواز پر اس طرح چونک گئے جیسے میں نے پہلی بار تم سے بات کی ہے۔''

مسافر کا اضطراب دیدنی تھا۔کون ہے کہ ساتھ رہنے کے باوجود وہ اس سے غافل ہے۔

آواز نے کہا،''تمہیں روز و شب کے معمولات کی تحریک کہاں سے اور کس طرح ملتی ہے؟ کون بتاتا ہے کہ اس وقت سونا ہے اور سونے کے بعد آدھی رات کو پانی پینے کے لئے آنکھ کھلتی ہے تو جگاتا کون ہے۔تم نیند کی دنیا میں محو تھے پھر پیاس کا تقاضا کہاں پیدا ہوا اور پورا کس عالم میں ہوا؟ تمہیں کس نے اور کس دنیا میں جگایا؟ اگر میں نہ جگاؤں تو کیا تم جاگ سکتے ہو ــــ؟''

سوالات سمجھنے کی کوشش میں ذہن سن ہو گیا۔

''رنگینیوں میں کھو کر دل کو مسرور کر لینے کے بعد جب عمر ڈھل رہی ہے اور باہر کے رنگ ماند نظر آ رہے ہیں تو اب تم نے اندر کی خلش کو محسوس کیا ــــ؟ کیا یہ ذہن کا متوجہ کرنا نہیں ہے کہ آدمی تلاش کرے سب کچھ ہونے کے باوجود اندر میں خلا کیوں ہے؟ عمر بڑھنا کیا ہے، پہلا دن کہاں سے آیا، کہاں غائب ہوا اور دوسرا دن کہاں سے آیا؟ تم ہر روز کہاں سے آ رہے ہو اور کہاں جا رہے ہو ــــ؟

ہر کام کرنے سے پہلے میں (زندگی) تمہیں غیر جانب دار رخ سے متعارف کراتی ہوں لیکن تم نظر انداز کر کے معنی پہنا دیتے ہو۔جانب داری کے پرت غالب آنے سے میری آواز تمہارے اندر دبیز پرتوں میں چھپ گئی ہے۔ میں اور تم دو الگ جہانوں میں نہیں، ایک مقام پر موجود ہیں۔تحریکات میرے وجود سے لہروں کے ذریعے تمہیں منتقل ہوتی ہیں اور ہم ایک

دوسرے سے مخاطب ہوتے ہیں۔ لہر روشنی ہے۔ وہی روشنی جس سے تم کبھی واقف تھے۔ تم روشنیوں کے تانے بانے سے بُنے ہوئے ہو۔''

مسافر نے پوچھا، ہمارے درمیان ربط روشنی (لہر) ہے پھر میں تمہیں دیکھنے سے قاصر کیوں ہوں؟

زندگی نے کہا،'' روشنی میں سمتیں مغلوب ہیں، وہ ہر جگہ موجود ہے۔ چیزوں کو ایک سمجھنے کے بجائے الگ الگ دیکھنے سے روشنی — خلا بن گئی۔ رحیم و کریم اللہ نے 'سماعت کے تحت' لہروں کے نظام کے ذریعے روشنی سے واقف ہونے کا راستہ کھلا رکھا ہے۔''

مسافر حیران ہوا، سماعت کے تحت —؟

زندگی نے کہا،'' ازل کا قانون ہے آواز کی طرف متوجہ ہونے سے مشاہدہ ہوتا ہے۔ تلاش کرو تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو اور میں کیا ہوں؟''

ماضی کی فلم کھل گئی۔ مسافر نے دیکھا کہ میں چھوٹا بچہ ہوں جس کی معمولی آواز پر گھر والے دوڑے چلے آتے ہیں، گود میں لیتے ہیں، پیار اور میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں۔ میری کلکاریوں سے گھر میں جل ترنگ ہو جاتی ہے، اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتے ہیں، نہلاتے اور کروٹ بھی یہی لوگ بدلتے ہیں۔ بدن نرم و ملائم اور خوش بو سے معطر، ہاتھ پیر مخملیں اور چہرہ پھول ہے۔ بلاتخصیص ہر شخص پیار کرتا اور دعائیں دیتا ہے۔ اندر میں لطافت اور خوش بو سب کو میری طرف کھینچتی ہے۔ یہ لوگ اپنی خوشیاں مجھ میں اور میں ''روشنی'' میں تلاش کرتا ہوں مگر یہ بار بار میرا ارتکاز توڑ دیتے ہیں۔ تکرار سے ذہن روشنی سے ہٹ کر خدوخال کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

فلم آگے بڑھی — مسافر نے لڑکپن کا دور دیکھا۔ ذمہ داریوں سے بے نیاز، ضروریات کے کفیل والدین تھے لیکن وہ اکثر کہتے کہ میرا بچہ پڑھ لکھ کر کمائے گا، کما کر ہمیں کھلائے گا۔ یہاں پہنچ کر میں اندیشوں سے متعارف ہوا کہ کماؤں گا نہیں تو کھاؤں گا کیسے۔ یہ نہیں سوچا کہ بچپن سے اب تک مجھے کس نے کھلایا، کیا میری کوشش کا کہیں دخل ہے؟ میرا حصہ اتنا ہے کہ جن روشنیوں کا وقوف دے کر عالم ناسوت کے سفر پر بھیجا گیا، میں نے ان سے قطع نظر کرلیا۔ تقاضوں کی مناسبت سے وقت کے ساتھ مقصد تبدیل ہوتا گیا۔ پہلے کام، پھر شادی، اب بچے۔ بچوں کی ذمہ داری پوری کرنے کے بعد سر پر چاندی اتر آئی جس نے بتایا کہ اگلے اسٹیشن کے لئے روانگی کا وقت قریب آرہا ہے۔

فلم کا کچھ حصہ باقی تھا کیوں کہ مسافر ابھی اس سے گزرا نہیں تھا مگر اپنے سے پہلے جانے والوں کو دیکھ کر اسے معلوم تھا کہ اس کا انجام بھی مختلف نہیں — جو یہاں آیا ہے، اسے زندگی کے دائرہ کو مکمل کرنے کے لئے ایک روز آگے بڑھ جانا ہے۔

مسافر آنکھیں بند کئے زندگی کی فلم دیکھ رہا تھا کہ نظر

کے سامنے ایک دنیا روشن ہوئی جو اس دنیا جیسی تھی لیکن وہ یہ دنیا نہیں تھی۔ کشف ہوا کہ یہ اعراف کی دنیا ہے۔ اعراف کی سیر کے دوران اس نے وہاں کئی لوگ دیکھے۔ کوئی خوش تھا اور کوئی اداس۔ کوئی صحت مند تو کوئی بیمار۔

مسافر حیران و پریشان ہوگیا کہ کیا پریشانیوں کا سلسلہ مرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوگا، اور یہ لوگ کون ہیں ــــ؟ مسافر بولا، میں سمجھا تھا کہ اعراف کی دنیا، ہماری دنیا سے الگ ہوگی اور دنیا کی زندگی دنیا میں ختم ہوجائے گی لیکن یہ تو وہی زندگی ہے جہاں سے میں چلا تھا۔ مسافر نے خوش حال شخص سے پوچھا، تم کون ہو اور یہاں آنے سے پہلے کیا کرتے تھے؟

خوش حال شخص نے کہا، میں نے دنیا میں لوگوں کی خدمت کی اور زندگی کو اللہ سے محبت میں وقف کیا۔ یہاں مجھے میری فلم دکھائی جاتی ہے جسے دیکھ کر میں خوش ہوتا ہوں، صحت مند رہتا ہوں اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

اس کے بعد مسافر بیمار شخص کی طرف گیا اور حال پوچھا۔ اس نے بتایا کہ یہاں آنے سے پہلے میں ملاوٹ کرتا تھا۔ اب مجھے میری فلم بار بار دکھائی جاتی ہے۔ میں بیمار ہوں، جسم انگاروں سے بھرا ہوا ہے۔ بدحال شخص کی حالت دیکھ کر خوف سے مسافر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اعراف کی سیر کر کے اپنا انجام دیکھ لیا تھا۔

قارئین! یہ کہانی ختم نہیں ہوتی، ایک کے بعد ایک دور میں داخل ہوتی ہے اور ہر دور میں دہرائی جاتی ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ گھر میں نیا مہمان آیا ہے اور پھر بھول جاتے ہیں کہ وہ بچہ مہمان ہے اور یہی سمجھتے ہیں کہ ہماری طرح اس کا بھی یہاں پر قیام دائمی ہے۔ لیکن غیر ارادی طور پر ہر فرد بچہ کی پیدائش پر یہی کہتا ہے کہ گھر میں ''نیا مہمان'' آیا ہے۔

اگر ہم اپنے الفاظ، اپنے طرز زندگی اور زندگی کی طرز پر غور کریں تو ایسی بہت سی باتیں ملتی ہیں جو حیات کی حقیقت کا سراغ بتاتی ہیں۔

اوپر لکھے گئے جملہ پر غور کیجئے۔

۱۔ ہمارا طرز زندگی ۲۔ زندگی کی طرز

ایک ہمارا طرز زندگی ہے اور ایک زندگی کی اپنی طرز ہے۔ ہمارے طرز زندگی کے باوجود زندگی اپنی طرز پر سفر کر رہی ہے، اس کی بیلٹ کہیں تبدیل نہیں ہوتی۔ لیکن جب ہم راستہ تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو تصادم پیدا ہوتا ہے۔ یہ ذہنی تصادم ہمیں پراگندہ کر دیتا ہے اور ہم بے سکون ہو جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود زندگی کی طرز جاری رہتی ہے اور ہم اس کے مطابق چلنے پر مجبور ہیں۔

کائنات کے طویل لیکن مختصر سفر میں یہ دنیا ایک چھوٹا اسٹیشن ہے۔ وسائل اور حیات یہاں سے جانے کے بعد بھی موجود ہیں۔ بقائے حیات سے واقف ہونے کے لئے ہمیں اپنی اصل پر غور کرنا ہے کہ ہم کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں اور ہمیں کہاں چلے جانا ہے!

بلال حسن زئی

تمہیں اے کاش کوئی راز یہ سمجھا گیا ہوتا

لوگ غلط اردو بولنے پر شرمندہ نہیں ہوتے لیکن اگر انگریزی کا کوئی لفظ غلط ادا ہو گیا یا انگریزی نہیں آتی تو مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اپنی زبان کی قدر و اہمیت کم کر کے دوسرے کی زبان کو فوقیت دے دی گئی۔

ہو سلیقہ تو پھر آدمی کے لئے
وسعت زندگی اک نفس میں بھی ہے

الفاظ سادہ لیکن معنی میں گہرائی ہے۔ نفس کے معنی سانس ہیں۔ آدمی ایک سانس لیتا ہے، اسے بار بار دہراتا ہے، اس دہرانے کو زندگی کہتا ہے اور زندگی کیا ہے، تکرار کے باوجود اس سے نابلد رہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک سانس میں زندگی کے سارے مراحل، علوم اور وسعتیں موجود ہیں کیوں کہ ہر وسعت میں یہی سانس کام کرتی ہے۔ باطنی آنکھ کھل جائے تو فرد ایک نفس میں ازل تا ابد ریکارڈ سے واقف ہو جاتا ہے — بات سلیقہ کی ہے۔

سلیقہ کیا ہے —؟ کسی میں کپڑا پہننے کا اور کسی میں کھانے پینے کا سلیقہ ہوتا ہے۔ کوئی اٹھتا بیٹھتا سلیقہ سے ہے — لوگوں کے ساتھ سلیقہ سے برتاؤ کرتا ہے۔ جب کسی میں یہ سارے اوصاف جمع ہو جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ اسے جینے کا سلیقہ آ گیا ہے۔ لیکن یہ سلیقہ کی محدود تعریف ہے۔

سلیقہ دراصل ترتیب ہے۔ ترتیب میں شے ہمیشہ خوب صورت اور نفیس لگتی ہے اور پرکشش ہو جاتی ہے۔ بغیر کشش پیدا کرنے کی نیت کے، اپنے اندر کشش پیدا کر لینے کا نام سلیقہ ہے۔

جو شخص کپڑا پہننے کا سلیقہ رکھتا ہے لوگ اسے پاس بٹھاتے ہیں۔ عموماً لوگ نارنجی (اورنج) اور پیلے رنگ کو پہننے سے گریز کرتے ہیں لیکن ان رنگوں کو ڈھنگ سے پہنا جائے تو دیکھنے والا تعریف کئے بنا نہیں رہتا۔ جسے ملنے جلنے کا سلیقہ آتا ہے کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔ بدسلیقہ شخص سے دنیا گریز کرتی ہے اور خوش سلیقہ فرد کی طرف کھنچی چلی آتی ہے، اور جس شخص کو جینے کا سلیقہ آتا ہے، اس کی ذات لوگوں میں مقبول اور محبوب ہو جاتی ہے۔

کسی کو پرکھنا ہو تو کہتے ہیں کہ دیکھو اس کا رنگ ڈھنگ کیسا ہے۔ رنگ — طرز فکر ہے اور ڈھنگ — آداب معاشرت اور آداب فطرت ہے۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ سلیقہ خوش حال لوگوں کی نشانی ہے، تو یہ بات بے معنی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ پہننے اوڑھنے کا ڈھنگ، کھانے پینے کے آداب، رہنے سہنے کی طرز اور ملنے جلنے کا طریقہ شخصیت کو متاثر کن بناتا ہے۔ یہ سب اپنی جگہ اہم ہیں لیکن اگر انہی پر اکتفا کیا جائے اور باطنی آداب کو چھوڑ دیا جائے تو قول و فعل تضاد بن جاتا ہے۔

حقیقت میں اصل سلیقہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب آدمی صبر کرنا سیکھتا ہے۔ صبر سے فرد میں ہر طرح کے حالات سے گزرنے کی سکت پیدا ہوتی ہے، خوشی ہو یا غم، وہ تحمل سے حالات و واقعات کو دیکھتا ہے اور پھر تدبر سے ردعمل ظاہر کرتا ہے۔ وہ واویلا نہیں کرتا اور نہ حرص و ہوس کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ایسے لوگ موجود ہیں کہ لوگ ان کے پہننے اوڑھنے، بات کرنے اور رہنے سہنے کی تعریف کرتے ہیں مگر جب ان لوگوں پر برا وقت آتا ہے تو دھیمی آواز بلند ہو جاتی ہے، وہ آداب بھول جاتے ہیں، رویہ تبدیل ہو جاتا ہے اور وحشت جھلکتی ہے۔ شاعر شکیل گوالیاری لکھتے ہیں،

دور سے دیکھنے سے لگتے ہیں
سب ستارے ہیں آسمان میں خوش
دھوپ اسی راستہ میں آتی ہے
ایک دروازہ ہے مکان میں خوش
راہ گیروں کو روک لیتی ہے
چارپائی ہے سائبان میں خوش
ہو سلیقہ اگر برتنے کا
لفظ رہتے ہیں ہر زبان میں خوش

صبر سے جب فرد کٹھن حالات سے گزرتا ہے تو اس کے اندر ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے — یہ ٹھہراؤ سلیقہ ہے۔ لباس اور وضع قطع کتنی ہی سادہ کیوں نہ ہو، ٹھہراؤ کی صلاحیت ایسے فرد کو نفیس بنا دیتی ہے۔

زندگی صرف جینے کا نام نہیں — سلیقہ سے جینے کا نام ہے۔ جیتا تو آدمی برے سے برے حال میں بھی ہے لیکن بات یہ ہے کہ اس دوران اس کا طرز عمل اور حالات و واقعات کو دیکھنے کا رویہ کیا رہا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں نوع آدم کی تعلیم و تربیت کے لئے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا تا کہ لوگ ظلمت سے نکل کر نور میں داخل ہوں، تاریکی میں روشنی ملے اور تاریکی روشن بن جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے لوگوں کو جینے کا سلیقہ سکھایا ہے۔ جینے کا ایک سلیقہ یہ بھی ہے کہ جب اللہ کے محبوب رسول اللہؐ پر مصائب کی انتہا ہو گئی تو ایک روز ام المومنین بی بی خدیجہؓ سے فرمایا،

''جب انسان یہ جان لے کہ وہ کس مقصد کے لئے اور کس کی خاطر رنج اٹھا رہا ہے تو اسے دکھ اور درد کا احساس نہیں رہتا۔''

یہ بے نیازی کا سلیقہ ہے جو نیازمندی سے آتا ہے۔ جینے کے اس سلیقہ کو قرآن کریم نے ان الفاظ

میں بیان فرمایا ہے،

''کہو میری صلوٰۃ، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے جو عالمین کا رب ہے۔'' (الانعام:۱۶۲)

بی بی ہاجرہؓ پر مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں مشکل وقت آیا تو اللہ سے شکوہ نہیں کیا بلکہ روتے بلکتے بچہ کی پیاس بجھانے کے لئے ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ کی طرف دوڑیں۔ اللہ کو ان کی یہ طرز اس قدر محبوب ہوئی کہ دنیا بھر کے لوگوں کو اس کی تقلید کا حکم دیا۔

جس کو ہم جینے کا سلیقہ کہتے ہیں وہ دراصل زندگی گزارنے کے آداب ہیں اور آداب کا تعلق طرز فکر سے ہے۔ ہر فرد کو طرز فکر کے دو زاویے حاصل ہیں۔ ایک راست اور دوسرا فریب پر مبنی ہے۔ راست طرز فکر کا تعلق فطرت کے قائم کردہ اصولوں سے ہے اور فطرت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرد کو جن مقداروں پر پیدا کیا ہے، وہ ان مقداروں میں قائم رہے۔

''یک سو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جما دو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔ یہی راست دین ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (الروم: ۳۰)

فطرت معین مقداروں پر قائم ہے۔ ہر شے توازن اور ترتیب کے ساتھ موجود ہے۔ مقداروں میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو زمین پر فسادات اور حادثات رونما ہوتے ہیں۔

محترم عظیمی صاحب کی تحریروں میں یہ بات کئی بار دہرائی جاتی ہے کہ آدمی اور انسان دو یونٹ ہیں۔ آدمی اسفل سافلین میں ہے اور انسان ''احسن تقویم'' یعنی اللہ کی بہترین صناعی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی صفات کا جو علم عطا کیا ہے، وہ علم دیگر مخلوقات کو نہیں دیا گیا۔ انسان کا سلیقہ یہ ہے کہ وہ تخلیقی قوانین کا علم رکھتا ہے، اللہ کے حکم سے شے میں تصرف کر سکتا ہے، جو علم اسے دیا گیا ہے اس کے ذریعے معرفت کا متلاشی رہتا ہے، لوگوں کی خدمت کرتا ہے اور وہ زمین و آسمان کی مخلوقات میں محکوم نہیں ہوتا۔ آسمان و زمین اور ان میں موجودات اس کے لئے مسخر ہیں، اس کے تابع فرمان ہیں۔ جس فرد میں یہ خصوصیات نہ ہوں، وہ انسان ہونے کے سلیقہ سے ناواقف ہے اور آدمی کی درجہ بندی میں ہے۔

ایک شخص کسی دانا کی محفل میں خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ بالآخر دانا نے اس سے کہا کہ کوئی بات کرو تا کہ معلوم ہو تم کون ہو۔

بات کہنے کے لئے سننا بہت ضروری ہے کیوں کہ آدمی کی خبر گفتگو اور طرز گفتگو سے ملتی ہے۔ عالم یہ ہے کہ کہنے والے بہت ہیں، سننے والا کوئی نہیں۔ کسی سے بات کیجئے تو لگتا ہے وہ آپ کو سننا نہیں، اپنی سنانا چاہتا ہے۔ بات پوری نہیں ہوتی کہ وہ اس وقفہ کا منتظر رہتا ہے جب آپ لمحہ سے بھی کم وقت کے لئے خاموش ہوں۔ اسے جیسے ہی موقع ملتا ہے وہ اپنی کہنا شروع کر دیتا

ہے۔اس طرح کوئی کسی کی سنتا نہیں، سب اس نقار خانہ میں اپنی اپنی سناتے ہیں۔کسی نے خوب کہا ہے،

تمہیں اے کاش کوئی راز یہ سمجھا گیا ہوتا
اگر سنتے تو کہنے کا سلیقہ آگیا ہوتا

ماں باپ، ماحول میں رہنے والے لوگ، رشتہ دار اور استاد بچہ میں سلیقہ پیدا کرتے ہیں یا اپنے رویہ سے بدسلیقہ بنادیتے ہیں۔بچہ کے اندر ماں باپ اور ماحول کی طرزیں نقش ہوتی ہیں، وہ غیر ارادی طور پر چیزوں کو اپناتا ہے کیوں کہ ذہن اسکرین ہے۔جو شے نقش ہوتی ہے اسی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔آپ جس طرح رہتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، اٹھتے بیٹھتے ہیں، لوگوں سے ملتے ہیں، بچہ اسی طریقہ کو درست سمجھ کر اپنالیتا ہے۔لوگوں سے جو معاملات اور برتاؤ رکھیں گے، بچہ اسی ڈگر پر چلے گا جب تک کہ اسے اس سے مختلف ماحول نہ ملے۔

سلیقہ کی بنیاد بچپن میں پڑتی ہے اور امتحان زندگی کے ادوار میں ہوتا ہے کیوں کہ فرد جب سمجھ بوجھ کے قابل ہوتا ہے اور عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو اس کے فیصلے زندگی کو متاثر کرتے ہیں اور ان فیصلوں کا ذمہ دار بھی وہ خود ہوتا ہے۔

ایک شخص نے اپنے بچوں کو بہت ناز میں رکھا۔ہر طرح کی آسائشیں دیں، اچھے اداروں میں تعلیم دلوائی، جو بچوں نے مانگا انہیں دیا — یہ سوچ کر کہ میرے بچوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو اور وہ دوسروں کے محتاج نہ بنیں۔لیکن سوچئے —! کیا اس نے اپنے بچوں کے ساتھ بھلائی کی یا برائی کی —؟

باپ یا ماں نے بچہ کے سامنے دنیا کا پُر آسائش اور سہل نقشہ کھینچا، وہ دنیا جس میں ان کے لئے کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہے، وہ جو چاہیں وہ ہوجائے گا۔کیا دنیا ایسی ہی ہے —؟ کیا ماحول میں موجود ہر فرد ماں باپ کی طرح مہربان ہوتا ہے —؟ ہم خود ہر فرد کے لئے مہربان نہیں، پھر اوروں سے کیا شکایت!

ماں باپ کتنے ہی قابل اور دولت مند کیوں نہ ہوں، اتار چڑھاؤ زندگی کا حصہ ہے۔جب ان کا بچہ گھر سے باہر عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو اسے مختلف رویوں کا سامنا ہوتا ہے، رکاوٹیں آتی ہیں، وہ ان رکاوٹوں سے نکلنا نہیں جانتا کیوں کہ اسے ہر چیز آسان کرکے پیش کی گئی اور دنیا کا وہ رخ دکھایا گیا جو نہیں ہے۔وہ حالات کے تھپیڑوں کو برداشت نہیں کرسکا کیوں کہ اعصاب تحمل کی سکت سے واقف نہیں۔

بچہ کی ضرورت پوری کیجئے لیکن ہر خواہش ضرورت نہیں ہے، اسے محنت اور شکر کرنا سکھائیں اور ذہنی طور پر مضبوط بنائیں — اب دنیا اس کے لئے آسان ہے۔

یہ ذرائع ابلاغ کا دور ہے جہاں پیغام کی ترسیل کے یکے بعد دیگرے ذرائع سامنے آرہے ہیں۔البتہ سب میں اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ پیش کرنے کا سلیقہ اور بات کرنے کا طریقہ مؤثر ہو۔کسی ملک کی داخلی قوت کو کم زور کرنے کے لئے ذرائع ابلاغ کے ذریعے

اپنی ثقافت ان تک پہنچائی جاتی ہے۔ متاثر ہونے والے اپنی ثقافت کو دقیانوسی سمجھتے ہیں۔ درحقیقت یہ احساس کم تری میں مبتلا ہونا ہے۔

مثلاً لوگ غلط اردو بولنے پر شرمندہ نہیں ہوتے لیکن اگر انگریزی کا کوئی لفظ غلط ادا ہو گیا یا انگریزی نہیں آتی تو مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اپنی زبان کی قدر و اہمیت کم کر کے دوسرے کی زبان کو فوقیت دے دی گئی۔

تحریر کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ آپ انگریزی نہ سیکھیں، فرد کو ایک سے زائد زبانیں آنی چاہئیں لیکن اپنی زبان کی اہمیت کو ختم نہ کریں۔

ایک وقت تھا کہ پاکستان کے ڈرامے دیکھنے کے لئے رات آٹھ بجے سڑکوں پر سناٹا ہو جاتا۔ لوگ بصد شوق پرائم ٹائم دیکھا کرتے تھے۔ ان ڈراموں میں اردو اور ادب کا معیار تھا نتیجہ میں لوگوں کی اردو بھی اچھی تھی۔ آنے والے اس معیار کو قائم نہ رکھ سکے۔ جیسے ہی پاکستان میں پڑوسی ممالک کے ٹی وی چینل عام ہوئے تو لوگ ان کی جانب راغب ہو گئے اور عوام کی زبان پر اردو کے ساتھ دوسری زبانوں کا استعمال عام ہو گیا۔

جب ممالک کے درمیان سفارت کاری ہوتی ہے تو سفارتی آداب میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ سخت سے سخت بات کو شائستہ الفاظ میں پیش کیا جائے۔ عوامی سطح پر پیغام میں چھپے مفہوم کو نہیں سمجھا جاتا لیکن متعلقہ افراد بات فوراً سمجھ جاتے ہیں۔ بات جائز ہو یا نہیں، سفارتی زبان میں شائستہ ہو جاتی ہے۔

ایسے میں کہا جاتا ہے کہ،

بات چاہے بے سلیقہ ہو کلیمؔ
بات کہنے کا سلیقہ چاہئے

جس طرح ہر مشکل میں سلیقہ کام آتا ہے، اسی طرح فراق کی تکلیف بھی اس کے بغیر نہیں کٹتی کہ محبت کرنے کا بھی ایک سلیقہ ہے۔

خامشی بھی سلیقہ ہے فریاد کا
ان کے جور و ستم پر گلا جرم ہے
مسلک عشق ہے پیروی وفا
حکمت و مصلحت سوچنا جرم ہے

فراق کے غم کو ندا فاضلی نے بھی خوب بیان کیا ہے۔

یہ کیسی کش مکش ہے زندگی میں
کسی کو ڈھونڈتے ہیں ہم کسی میں
جو کھو جاتا ہے مل کر زندگی میں
غزل ہے نام اس کا شاعری میں
نکل آتے ہیں آنسو ہنستے ہنستے
یہ کس غم کی کسک ہے ہر خوشی میں
کہیں چہرہ کہیں آنکھیں کہیں لب
ہمیشہ ایک ملتا ہے کئی میں
چمکتی ہے اندھیروں میں خموشی
ستارے ٹوٹتے ہیں رات ہی میں
سلگتی ریت میں پانی کہاں تھا
کوئی بادل چھپا تھا تشنگی میں
بہت مشکل ہے بنجارہ مجازی
سلیقہ چاہئے آوارگی میں

برسات کی بہاریں

نظیر اکبر آبادی

سبزوں کی لہلہاہٹ، باغات کی بہاریں بوندوں کی جھمجھاوٹ، قطرات کی بہاریں
ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں
بادل لگا ٹکوریں نوبت کی گت* لگاویں جھینگر جھنگار اپنی سُرنائیاں* بجاویں
کر شور مور بگلے جھڑیوں کا منہ بلاویں پی پی کریں پپیہے مینڈک ملاریں* گاویں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہر جا بچھا رہا ہے سبزہ ہرے بچھونے قدرت کے بچھ رہے ہیں ہر جا ہرے بچھونے
جنگلوں میں ہو رہے ہیں پیدا ہرے بچھونے بچھوا دیئے ہیں حق نے کیا کیا ہرے بچھونے
سبزوں کی لہلہاہٹ، کچھ ابر کی سیاہی اور چھارہی گھٹائیں سرخ اور سفید کاہی
سب بھیگتے ہیں گھر گھر لے ماہ تا بہ ماہی یہ رنگ کون رنگے تیرے سوا الٰہی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیا کیا رکھے ہیں یا رب سامان تیری قدرت بدلے ہے رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت
سب مست ہو رہے ہیں پہچان تیری قدرت تیتر پکارتے ہیں سبحان تیری قدرت
کوئل کی کوک میں بھی تیرا ہی نام ہے گا اور مور کی زٹل میں تیرا پیام ہے گا
یہ رنگ سو مزہ کا جو صبح و شام ہے گا یہ اور کا نہیں ہے تیرا ہی کام ہے گا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو وصل میں ہیں ان کے جوڑے مہک رہے ہیں جھولوں میں جھولتے ہیں گہنے جھمک رہے ہیں
جو دکھ میں ہیں سو ان کے سینے پھڑک رہے ہیں آہیں نکل رہی ہیں آنسو ٹپک رہے ہیں
اب برہنوں* کے اوپر ہے سخت بے قراری ہر بوند مارتی ہے سینے اپر کٹاری*
بدلی کی دیکھ صورت کہتی ہیں باری باری ہے ہے نہ لی پیا نے اب کے بھی سدھ ہماری
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گت (دھن)، سُرنائیاں (شہنائیاں)، ملاریں (راگ ملہار)، برہنوں (فرقت زدہ)، کٹاری (خنجر)

مدت سے ہو رہا ہے جن کا مکاں پرانا — اٹھ کے ہے ان کو مینہ میں ہر آن چھت پہ جانا
کوئی پکارتا ہے ٹک موری کھول آنا — کوئی کہے ہے چل بھی کیوں ہوگیا دوانا
کوئی پکارتا ہے لو یہ مکان ٹپکا — گرتی ہے چھت کی مٹی اور سائبان ٹپکا
چھلنی ہوئی اَٹاری* کوٹھا نِدان* ٹپکا — باقی تھا اک اُسارا* سو وہ بھی آن ٹپکا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جس گل بدن کے تن میں پوشاک سوسنی ہے — سو وہ پری تو خاصی کالی گھٹا بنی ہے
اور جس پہ سرخ جوڑا یا اودی اوڑھنی ہے — اس پر تو سب گھلاوٹ برسات کی چھنی ہے
اور جس صنم کے تن میں جوڑا ہے زعفرانی — گلنار یا گلابی یا زرد سرخ دھانی
کچھ حسن کی چڑھائی اور کچھ نئی جوانی — جھولوں میں جھولتے ہیں اوپر پڑے ہے پانی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو اس ہوا میں یارو دولت میں کچھ بڑھے ہیں — ہے ان کے سر پہ چھتری، ہاتھی پہ وہ چڑھے ہیں
ہم سے غریب غربا کیچڑ میں گر پڑے ہیں — ہاتھوں میں جوتیاں ہیں اور پائینچے چڑھے ہیں
ہے جن کنے مہیا پکا پکایا کھانا — ان کو پلنگ پہ بیٹھے جھڑیوں کا حظ اڑانا
ہے جن کو اپنے گھر میں یاں لونؔ تیل لانا — ہے سر پہ ان کے پنکھا یا چھاج ہے پرانا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل ہوا کے اوپر ہو مست چھا رہے ہیں — جھڑیوں کی مستیوں سے دھومیں مچا رہے ہیں
پڑتے ہیں پانی ہر جا جل تھل بنا رہے ہیں — گلزار بھیگتے ہیں سبزے نہا رہے ہیں
گر کر کسی کے کپڑے دلدل میں ہیں معطر — پھسلا کوئی کسی کا کیچڑ میں منہ گیا بھر
اک دو نہیں پھسلتے کچھ اس میں آن اکثر — ہوتے ہیں سینکڑوں کے سر نیچے پاؤں اوپر

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

یہ رت وہ ہے کہ جس میں خرد و کبیر* خوش ہیں — ادنیٰ غریب مفلس شاہ و وزیر خوش ہیں
معشوق شاد و خرم عاشق اسیر خوش ہیں — جتنے ہیں اب جہاں میں سب اے نظیرؔ خوش ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اٹاری (برساتی)، ندان (آخرکار)، اُسارا (برآمدہ)، لون (نمک)، خرد و کبیر (چھوٹے بڑے)

تالیف: قرۃ العین واسطی

حضرت ذوالنون مصریؒ

''دل تیری صفات کا ملہ کی گواہی دیتا ہے اور ذات کے اسرار جان کر حیران ہے۔ تیری محبت کی شراب میں مست ہوں اور غیر سے لاپروا۔ تجھ سے محبت میں کوتاہی برتنے والا رسوا اور ناکام ہے۔''

ایک درویش کو معلوم ہوا کہ کوہ مقطم میں عبادت و ریاضت کرنے والی لڑکی رہتی ہے۔ چوں کہ سیر و سیاحت کا ذوق تھا اور ہر مقام پر اللہ کے نیک بندوں سے ملاقات کے خواہاں رہتے تھے، کوہ مقطم کا رخ کیا۔ تلاش کرنے کے باوجود لڑکی کے ٹھکانے کا علم نہ ہوسکا۔ اس تلاش میں درویش کی ملاقات ایک گروہ سے ہوئی۔ ان سے لڑکی کے بارے میں دریافت کیا تو ایک نے کہا، داناؤں سے بھاگتے ہو اور دیوانوں کے بارے میں پوچھتے ہو؟

درویش نے پوچھا، کیا اس کا پتہ بتا سکتے ہیں؟

بتایا گیا کہ وہ فلاں جنگل میں رہتی ہے۔

مطلوبہ مقام پر پہنچے تو دور سے دردناک آواز سنائی دی۔ آواز کی جانب رخ کیا۔ تھوڑے فاصلہ پر ایک لڑکی نظر آئی جو چٹان پر بیٹھی ہوئی تھی۔

درویش قریب پہنچے تو لڑکی نے ان کا نام لے کر پکارا، اے ذوالنون! تجھے دیوانوں سے کیا کام؟

پوچھا، کیا تم دیوانی ہو؟

لڑکی نے کہا، پھر لوگ مجھے دیوانہ کیوں کہتے ہیں؟

فرمایا، کس چیز نے تمہیں دیوانہ بنایا ہے؟

اے ذوالنون! اللہ کی محبت نے۔ طلب دید کے شوق نے مجھے حیران کر دیا ہے اور اس کی تلاش نے مجھے تڑپ میں ڈال دیا ہے۔ یاد رکھو! محبت قلب میں ہوتی ہے، شوق فواد میں اور تلاش کرنا سِر میں ہوتا ہے۔

پوچھا، کیا فواد اور چیز ہے اور قلب کچھ اور ہے؟

لڑکی نے کہا، فواد — قلب کے نور کو کہتے ہیں۔ قلب محبت کرتا ہے اور فواد مشتاق ہوتا ہے۔ اور سِر — پاتا ہے۔ لڑکی کی دانائی غیر معمولی تھی۔

آپ نے پوچھا، سِر کس چیز کو پاتا ہے؟

جواب دیا، حق کو پاتا ہے۔

حق کو کس طرح پاتا ہے؟

اے ذوالنون! حق کو پانا بلا کیف ہوتا ہے۔

کیا صداقت ہے کہ تم نے حق کو پالیا —؟

اس کی آنکھیں بھر آئیں اور آواز رندھ گئی۔ وہ زار و قطار رونے لگی۔ پھر نعرہ بلند کیا اور بولی، دیکھ! صادق کیسے جاتے ہیں۔ غشی طاری ہوئی اور وہ بے جان

ہوگئی۔ نبض دیکھی تو روح پرواز کر چکی تھی۔ تدفین کا بندوبست کرنا چاہا اور ارد گرد کا جائزہ لیا۔ اس دوران جب نظر لڑکی کے بے جان وجود کی طرف گئی تو وہ وہاں نہیں تھی۔۔۔ جسم غائب ہوگیا تھا۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کا شمار بلند مرتبہ صوفیا میں ہے۔ سلسلہ قلندریہ اور سلسلہ ملامتیہ کے امام ہیں۔ کنیت ابوعبداللہ جب کہ نام ثوبان اور لقب ذوالنون ہے۔ والد ابراہیم، اخمیم (مصر) کے رہنے والے تھے۔ اخمیم نہایت سرسبز و شاداب علاقہ اور اس زمانہ میں حاجیوں کی گزرگاہ تھا۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کے پیرومرشد کا نام کتب میں نہیں ملتا جس کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ انہیں اویسیہ نسبت کے تحت روحانی علوم منتقل ہوئے۔

آپ لقب ذوالنون سے معروف ہیں اس کے معنی مچھلی والے کے ہیں۔ لقب سے واقعہ منسوب ہے کہ کشتی میں سوار تھے۔ سفر میں ایک سوداگر بھی شریک تھا۔ اس کے موتیوں میں سے ایک موتی گم ہوگیا۔ سوداگر نے آپ پر چوری کا الزام لگا دیا۔ آپ نے الزام کی تردید کی لیکن سوداگر الزام پر قائم رہا۔ کشتی میں سوار دیگر لوگوں نے بھی شک کی نگاہ سے دیکھا اور گستاخی سے پیش آئے۔ آپ نے آسمان کی طرف دیکھ کر عرض کیا،

''اے بلند و اعلیٰ خالق! تو دلوں کے بھید جانتا ہے، تجھے علم ہے کہ میں چور نہیں لیکن آج لوگ الزام لگا رہے ہیں۔ صرف تیری ذات مجھے بے گناہ ثابت کرسکتی ہے، تو بڑا رحیم و کریم ہے۔''

الفاظ ادا ہوتے ہی سینکڑوں مچھلیاں منہ میں موتی لئے پانی سے باہر آگئیں۔ آپ نے ایک مچھلی کے منہ سے موتی لے کر سوداگر کو دیا۔ سوداگر سمیت کشتی میں سوار دیگر افراد نادم ہوئے اور گستاخی پر معافی مانگی۔ واقعہ کے بعد آپ کا لقب ذوالنون ہوگیا۔

حضرت ذوالنون مصریؒ نے تربیت کے زمانہ میں بیش تر وقت سیاحت میں گزارا۔ اس دوران متعدد نیک و دانا بندوں سے ملاقات ہوئی۔ مضمون میں حالات زندگی کے علاوہ سیاحت کے دنوں کے چند واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جو دانائی سے معمور ہیں اور ہر واقعہ میں اصلاح کے کئی پہلو ہیں۔

ایک سفر میں کوہ لکام کے جنگل سے گزر ہوا۔ ہر طرف سبزہ تھا۔ پھولوں کی خوب صورتی اور ہریالی کو تعجب سے دیکھ رہے تھے کہ ایک آواز سماعت سے ٹکرائی اور انہیں پہاڑ کے دامن میں غار تک لے گئی۔ اندر جھانکا تو کوئی عبادت میں مشغول پکار رہا تھا کہ،

''اے پاک اور اعلیٰ ہستی! تیری جستجو کرنے والوں کو اطاعت کے باغ میں لطف حاصل ہوتا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے نفس کو دریائے محبت پر پہنچایا اور نفس ظاہر سے واقف ہوکر باطن کی طرف مائل ہوگیا۔''

غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کی

تربیت کا انتظام کرتے ہیں تو ماحول میں موجود ہر شے اس کے موافق کام کرتی ہے۔ حضرت ذوالنونؒ نے پھولوں اور پودوں کی ظاہری خوب صورتی سے راحت محسوس کی ۔ جب کہ اسی مقام پر غار میں ایک فرد دعا کررہا تھا کہ حقیقی راحت — اللہ کی اطاعت ہے۔

قرآن کریم میں اللہ کی نشانیوں پر تفکر کا حکم ہے، جب بندہ مظاہر میں نشانیاں تلاش کرتا ہے تو اسے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور وہ راحت پاتا ہے۔

جب وہ فرد خاموش ہوا تو انہوں نے بلند آواز میں سلام کیا۔ سلام کا جواب دے کر غار میں موجود شخص نے پوچھا، یہاں تک کیسے پہنچے؟

حضرت ذوالنونؒ نے بتایا کہ نصیحت وعبرت کا شوق اور روشن ضمیر لوگوں سے قرب کی طلب یہاں لے آئی۔

عابد وزاہد نے فرمایا، اے نوجوان! خالق کائنات اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جن کے دل عشق کی آگ میں جل رہے ہیں۔ وہ شوق میں شدت کی وجہ سے ریاض ملکوت کی سیر کرتے ہیں اور طلب کے مطابق حجاب جبروت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

عرض کیا، ان کے بارے میں کچھ بیان فرمائیں۔

عابد نے فرمایا، ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں پناہ لی ہے، یہ محبت الٰہی کا جام پیتے ہیں۔ دعا کرو کہ پروردگار مجھے بھی ان کی فہرست میں شامل فرمائے اور عاشقوں کا عمل نصیب ہو۔

حضرت ذوالنون مصریؒ انکساری سے بہت متاثر ہوئے اور نصیحت کی درخواست کی۔ عابد نے فرمایا،

''بیٹا! اللہ تعالیٰ کی محبت دنیا کے لئے نہیں، اللہ کے دیدار کے شوق میں کرو۔ وہ ایک دن اپنے جمال کی تجلی اپنے دوستوں کو دکھائے گا۔''

پھر چند اشعار پڑھے۔ ترجمہ،

''کبھی میرے بھی آنسو تھے جن کو تو نے فنا کر دیا، میری بھی پلکیں تھیں جن کو تو نے ختم کر دیا، میرا بھی جسم تھا جس کو تو نے بوسیدہ کر دیا۔ میرا بھی دل تھا جس کو تو نے ضعیف کر دیا۔ اے میرے مالک! آنکھیں بھی تھیں جن سے میں مخلوق کو دیکھتا تھا، تو نے اندھی کر دیں۔ اب تیرا بندہ تیرا ہو گیا ہے۔ اگر تو چاہے تو اسے قرب سے نواز دے۔''

اسی طرح ایک بار آدھی رات کو کوہ لبنان سے گزر رہے تھے کہ نظر دائیں طرف شاہ بلوط کے درخت کے قریب چھپر (پھوس کا سائبان) پر پڑی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ چھپر سے سر باہر آیا، صورت چاند کی طرح پُرنور تھی۔

وہ پکار رہا تھا کہ،

''دل تیری صفات کاملہ کی گواہی دیتا ہے اور ذات کے اسرار جان کر حیران ہے۔ تیری محبت کی شراب میں مست ہوں اور غیر سے لاپروا۔ تجھ سے محبت میں کوتاہی برتنے والا رسوا اور ناکام ہے۔''

یہ کہہ کر سر چھپر کے اندر کر لیا۔ اب اس کی آواز ان تک نہ پہنچ سکی۔ کئی گھنٹے گزر گئے، وہ باہر نہیں آیا۔

فجر کے وقت اس نے سر باہر نکالا اور پکارا،

''یا اللہ! آسمان تیرے نور سے منور ہیں۔ اندھیرے میں اجالا تیرا نور ہے۔ آنکھ تیرے جلال سے محروم ہے، یہ معرفت صرف دل کو حاصل ہے۔ نگاہِ کرم کی فریاد کرتا ہوں۔ مجھے وہ غلام بنا جو ہر وقت حاضر ہو۔''

حضرت ذوالنون مصریؒ نے فوراً سلام کیا اور سوال کرنے کی اجازت چاہی۔ اس نے منع کر دیا۔ وجہ پوچھنے پر کہا، تیرا خوف میرے دل سے نہیں گیا۔

انہیں حیرت ہوئی کہ میری کس بات سے وہ خوف زدہ ہے۔ اس نے بتایا، تم کام کے وقت بے کار پھر رہے ہو، آخرت سے غافل ہو اور دل میں گمان ہے۔

حضرت ذوالنونؒ یہ سن کر بے ہوش ہو گئے۔ دھوپ میں تمازت سے آنکھ کھلی تو وہاں شاہ بلوط تھا نہ وہ شخص۔

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میرے سامنے ایک عربی عارف کے بلند مرتبہ اور حسن کلام کی بہت تعریف کی گئی۔ ملاقات کا اشتیاق ہوا۔ طویل سفر کے بعد حاضر ہوا اور کم وبیش چھ ہفتہ خدمت میں رہا۔ وہ غیر ضروری گفتگو سے پرہیز کرتے تھے اور زیادہ وقت عبادت میں گزارتے۔ ان کے معمول کی وجہ سے بات کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ ایک روز میری طرف توجہ فرمائی اور پوچھا، یہ کہاں کا رہنے والا ہے۔

اس سے پہلے کہ کوئی اور بتاتا میں نے تعارف پیش کیا۔

پوچھا یہاں کیوں آئے ہو؟

میں نے بتایا، تاکہ آپ سے وہ علم حاصل کروں جو مجھے اللہ کی راہ دکھا دے۔

فرمایا، اللہ کو ہر جگہ حاضر و ناظر جان، اس سے مدد مانگ اور اسی پر توکل کر۔

عرض کیا کہ مسافر ہوں اور دور دراز سے آیا ہوں۔ چند سوالات کا جواب چاہتا ہوں۔

انہوں نے پوچھا، تم طالب علم ہو، عالم ہو یا مناظر ہو؟

میں نے کہا، طالب علم ہوں۔

فرمایا، پھر طالب علم کی طرح رہو اور سوال کا ادب ملحوظ خاطر رکھو اس لئے کہ اگر تم ادب میں نقصان کرو گے اور حد سے بڑھو گے تو استاد کا نفع تم سے چلا جائے گا۔ عقل مند لوگ سچائی اور وفا کی راہ پر چلتے ہیں اور صبر سے غم و مصیبت کا وقت گزارتے ہیں۔

عرض کیا، اس مرتبہ پر بندہ کب پہنچتا ہے؟

فرمایا، جب وہ اسباب و انساب سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور دل سے ابعاد (dimension) کو دور کرتا ہے۔ پوچھا کہ یہ رتبہ کب ملتا ہے؟

فرمایا: جب بندہ غصہ اور تکبر سے نکلے اور دوسروں کو حقیر نہ جانے کیوں کہ طاقت صرف اللہ کی ہے۔

کسی نے حضرت ذوالنون مصریؒ سے ایک عبادت گزار لڑکی کی دانائی کی تعریف کی۔ انہیں ملاقات کا اشتیاق ہوا۔ بتایا گیا کہ وہ کسی ویران گرجا میں رہتی ہے۔ گرجا میں گئے تو دھان پان سی لڑکی دکھائی دی۔ انہوں نے سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا اور عبادت میں مشغول ہو گئی۔ پوچھا، یہاں اکیلی کیا کر رہی ہو؟

اس نے ان کی طرف دیکھا اور بولی، اکیلی کہاں! اللہ میرے ساتھ ہے۔حضرت ذوالنون مصریؒ نے پوچھا، ویرانہ میں—؟ تجھے یہاں ڈر نہیں لگتا—؟

عبادت گزار لڑکی نے کہا، کیا روئے زمین پر اور آسمان میں ایسی کوئی جگہ ہے جہاں اللہ نہ ہو—؟ اور ویرانہ یہ نہیں، ویرانہ وہ دل ہے جو اللہ کی محبت و قربت سے خالی ہو۔

دانا معلوم ہوتی ہو۔ یہ راستہ کیسے پایا—؟

لڑکی نے کہا، اے جوان! تقویٰ کو توشہ بنالے پھر وہ راستہ کھلے گا جہاں کوئی قفل نہیں۔

ایک مرتبہ سفر میں برف پوش صحرا سے گزرے۔ وہاں ایک شخص ملا جو اناج کے دانے بکھیر رہا تھا۔ بات کرنے پر معلوم ہوا کہ آتش پرست ہے۔ پوچھا، برف پوش صحرا میں دانے بکھیرنے کا کیا مقصد ہے؟ اس نے بتایا کہ پرندوں کو برف میں خوراک کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے اس لئے مدد کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا، پرندوں کو اللہ پر یقین ہے، انہیں دانہ مل جاتا ہے۔ وہ بولا، میرے لئے یہی خوشی ہے کہ اللہ میری نیت سے واقف ہے۔

کچھ عرصہ بعد اس شخص سے ایک بار پھر ملاقات ہوئی لیکن یہ ملاقات جس مقام پر تھی، حضرت ذوالنونؒ حیران تھے۔ وہ خانہ کعبہ کا وارفتگی کے ساتھ طواف کر رہا تھا۔ طواف کے بعد قریب آیا، سلام کیا اور کہا، دیکھئے! پرندوں کے لئے اناج بکھیرا اور کس قدر خوب صورت پھل ملا— اللہ نے دل بدل دیا۔

اس کے جانے کے بعد انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا کہ اے اللہ! سالوں تک آگ کی پوجا کرنے والے کو اناج کے چند دانوں کے بدلہ میں اتنی بڑی نعمت سے نواز دیا۔ ہاتف غیبی نے کہا، ہم مختار ہیں۔ ہمارے کام میں کسی کو دخل اندازی کی اجازت نہیں۔

انطاکیہ میں مجذوب لڑکی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے جبہ پہنا ہوا تھا۔ لڑکی نے پوچھا، ذوالنون ہو؟

انہوں نے کہا، مجھے کیسے جانتی ہو؟

لڑکی نے جواب دیا، محبوبِ حقیقی کی معرفت سے۔

اے ذوالنون! یہ تو بتاؤ کہ سخاوت کیا ہے؟

سخاوت داد و دہش (خیرات) ہے۔

یہ تو دنیا کی سخاوت ہے۔ دین کی سخاوت کیا ہے؟

ہر ممکن حد تک اطاعت الٰہی کی کوشش۔

لڑکی نے کہا، اطاعت ہو تو محبوب حقیقی قلب کو مجلّا کر دیتا ہے۔ اللہ سے دنیا کے لئے نہیں، اللہ سے اللہ کے لئے محبت کرو۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔

مصر کے بازار میں چند بچے ایک نوجوان پر پتھر مار رہے تھے۔ بچوں کو روکا کہ یہ ظلم کیوں کرتے ہو؟

بچے بولے، یہ پاگل اور دیوانہ ہے۔ کہتا ہے کہ میں نے اللہ کو دیکھا ہے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ نوجوان کے پاس گئے اور پوچھا کہ اے جوان! کیا تم نے اللہ کو دیکھا ہے—؟

نوجوان نے پوچھا، کیا تم نے نہیں دیکھا—؟

حضرت ذوالنونؒ چونک گئے۔

نوجوان نے کہا، اگر ایک لمحہ کے لئے بھی پردہ آجائے تو یہ بندگی نہیں— نافرمانی ہے!

ایک عورت ہمیشہ اونی کرتہ اور چادر میں رہتی اور سیر و سیاحت کرتی تھی۔ توکل اس کا شعار تھا۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے اس سے فرمایا، سیر و سیاحت کرنا عورتوں کا کام نہیں ہے۔ اس نے جواب دیا، اے مغرور! کیا تم نے اللہ کی کتاب نہیں پڑھی،

''ان سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اللہ نے کس طرح خلق کی ابتدا کی ہے پھر اللہ دوبارہ زندگی بخشے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (العنکبوت:۲۰)

آیت پڑھنے کے بعد عورت نے ان سے کہا کہ سیاحت سے مجھے معلوم ہوا کہ زمین میں ہر طرف اللہ کی نشانیاں ہیں اور ہر خطہ علوم سے لبریز ہے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ نے پوچھا، تم نے اللہ تعالیٰ کو کس چیز سے پہچانا—؟ اس نے کہا،

''میں نے اللہ تعالیٰ کو اللہ سے پہچانا اور غیر اللہ کو اللہ کے نور سے پہچانا۔''

(درج بالا عبارت کو تین دفعہ پڑھئے۔)

پوچھا، اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم کیا ہے؟

اس نے کہا، جس وقت خالص ہو کر یاد کرو گے، اللہ کا ہر اسم— اسم اعظم بن جائے گا۔

انداز وہ ہی سمجھے مرے دل کی آہ کا

انداز وہ ہی سمجھے، مرے دل کی آہ کا
زخمی جو کوئی ہوا ہو، کسی کی نگاہ کا

زاہد کو ہم نے دیکھ لیا، جوں نگیں بہ عکس
روشن ہوا ہے نام تو اس روسیاہ کا

ہر چند فسق* میں تو، ہزاروں ہیں لذتیں
لیکن عجب مزہ ہے، فقط جی کی چاہ کا

لے کر ازل سے تابہ ابد ایک آن ہے
گر درمیاں حساب نہ ہو سال و ماہ کا

رحمت قدم نہ رنجہ* کرے گر تری، ادھر
یارب! ہے کون پھر تو ہمارے گناہ کا

دل ! اس مژہ* سے رکھیو نہ تو چشم راستی
اے بے خبر! برا ہے یہ فرقہ سپاہ کا

شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں
نے تاج کی ہوس، نہ ارادہ کلاہ کا

اے دردؔ ! چھوڑتا ہی نہیں مجھ کو جذب عشق
کچھ کہربا* سے چل نہ سکے برگِ کاہ* کا

(کلام: خواجہ میر دردؔ)

فسق (گناہ)، قدم رنجہ کرنا (آنا)، مژہ (پلک)، کہربا (وہ زرد مہرہ جو گھاس کو مقناطیس کی طرح کھینچتا ہے)، برگِ کاہ (گھاس پھوس)

عابد محمود

کام کی زکوٰۃ ــــ؟

اماں کی بات یاد آئی ــــ پتر تو دوسروں کی مدد کرتا ہے، جو کماتا ہے اس میں دوسروں کا حصہ انہیں پہنچاتا ہے اس لئے اللہ نے تیرے رزق میں برکت ڈال دی ہے۔ مدد کرتے وقت کبھی یہ نہیں سوچنا کہ میں نے مدد کی ــــ یہ تیرے پاس ضرورت مند کا حق ہے جو تو نے اسے پہنچایا۔

ارشد نے سلائی کئے ہوئے کپڑے ماسٹر عبید کے کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے کہا، لیں ماسٹر جی چیک کر لیں۔

ماسٹر عبید رقم گن رہے تھے۔ ارشد کو سرسری انداز میں دیکھتے ہوئے بیٹے سے کہا، یہ رقم خالہ خورشیدہ کو دے دینا، کوشش کرنا کہ آج ان تک پہنچ جائے، ضرورت ہوگی۔ پھر عینک درست کرتے ہوئے سلائی کئے گئے کپڑوں کو تنقیدی نظر سے دیکھا اور دو تین قمیصوں کی ٹیڑھی سلائی پر نشان لگاتے ہوئے بولے، ارشد پتر! مہنگائی کے دور میں لوگ معلوم نہیں کیسے رقم اکٹھی کر کے کپڑے سلواتے ہیں۔ کپڑے آدمی کی بنیادی ضرورت ہیں، اس طرح سلائی کرو گے تو اتنے مہنگے کپڑے کی کیا اہمیت رہ جائے گی۔ کام کے ساتھ انصاف ضروری ہے۔

ماسٹر جی اگر ہم لوگوں کا کپڑا دیکھتے رہیں تو دہاڑی کیسے لگے گی۔ آپ کو لوگوں کی پریشانیاں نظر آتی ہیں ہماری پریشانی نظر نہیں آتی۔ دن میں پانچ سوٹ سیتے ہیں۔ اگر اسی طرح سلائی کریں تو دن میں تین سوٹ بھی تیار نہیں ہوں گے۔ یہاں تو پانچ سوٹ میں اخراجات پورے کرنا مشکل ہے۔ ارشد ناگواری سے بولا۔

ماسٹر عبید نے کہا، ہماری دکان مارکیٹ کے ریٹ سے زیادہ کاریگر کو اجرت دیتی ہے پھر سلائی صاف ستھری ہونی چاہئے۔ اپنی ضرورت پوری کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ گاہکوں کے کپڑے خراب کر دو۔

ماسٹر صاحب ہم کہاں جائیں؟ کیا اس دور میں گزارہ آسان ہے؟ لوگ اچھے بھلے ہو کر زکوٰۃ خیرات پر زندگی گزار لیتے ہیں۔ ارشد نے کچھ دیر قبل دی گئی خیرات کی رقم کی طرف اشارہ کیا۔

اللہ نے تمہیں ہنر سے نوازا ہے۔ ماشاء اللہ اچھی دہاڑی لگا لیتے ہو۔ پڑھے لکھے لوگوں سے اچھا کماتے ہو اور کیا چاہئے؟ پتر! بیواؤں اور مسکینوں کا خیال رکھنا اللہ کا حکم ہے۔ شکر ادا کرو جس نے تمہیں زکوٰۃ و خیرات لینے والا نہیں بنایا البتہ اس قابل ضرور بنایا ہے کہ دوسروں کی مدد کر سکو۔

ہر وقت گھر کی پریشانیاں، اماں بیمار رہتی ہے، بچوں کی فیس اور بجلی کے بلوں نے زندگی اجیرن کر دی ہے۔ارشد نے جلے بھنے الفاظ میں کہا۔

ماسٹر عبید نے حیرت سے دیکھا کہ یہ کس قدر ناشکرا ہے۔ارشد کو تمام کاریگروں سے زیادہ پیسے ملتے تھے۔ ایک ماہ میں کم سے کم تیس اور سیزن میں چالیس سے پینتالیس ہزار کما لیتا تھا۔

پتر! اگر تم سمجھتے ہو کہ ضروریات کے لئے تمہاری آمدنی کم ہے تو اللہ کی راہ میں پھر بھی کچھ نہ کچھ دیتے رہنا چاہئے۔ضروری نہیں کہ وہ روپیہ پیسہ ہو۔

کیا روپیہ پیسہ کے علاوہ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کیا جاسکتا ہے—؟

ارشد پتر! دنیا کھیتی ہے، جو بوؤ گے وہ کاٹو گے۔ خوشیاں چاہئیں تو خوشیاں بانٹو۔کسی کو تکلیف پہنچاؤ گے تو وہ پلٹ کر تمہاری طرف آئے گی۔دولت چاہئے تو دولت بانٹو، رزق میں برکت ہو جائے گی۔اپنے حصہ کی رقم صدقہ خیرات کرتے رہنا چاہئے۔دنیا میں یہی کام آتا ہے۔

ماسٹر عبید یہ کہہ کر سلائی کی طرف متوجہ ہو گئے مگر ذہن میں ماضی کی فلم چلنے لگی۔

عبید پتر! کرانے (کریانہ) سے آدھ پاؤ لال مرچ تو لے آ۔اماں نے ہزار کا نوٹ پکڑاتے ہوئے کہا، اور دھیان رکھنا پیسے کہیں گم نہ کر دینا۔

عبید نے آدھ پاؤ لال مرچ خریدی، دکان سے باہر آیا تو ایک ضعیف عورت نے ہاتھ پھیلا دیے۔

عبید نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہ بولی پتر، محمد مصطفیٰؐ کے نام پر کچھ دے دو۔

الفاظ سن کر عبید کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔حضورؐ کے نام —؟ ان کے نام پر میں کیا دے سکتا ہوں —؟ ان کے نام پر دینے کے لئے میرے پاس کیا ہے —؟ میری اتنی اوقات کہاں! وہ جیب میں ہاتھ ڈال کر نکالنا بھول گیا۔

ضعیف عورت نے نوجوان کو دیکھا اور دوبارہ صدا دی۔عبید کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

وہ اسے پاگل سمجھ کر دوسرے راہ گیر کی طرف متوجہ ہو گئی۔عبید کو ہوش آیا تو وہ دور جا چکی تھی۔

عبید تیزی سے اس کی جانب بھاگا اور جیب میں سے تمام پیسے نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیئے۔سوئیٹر اتارا، کلائی سے ابا کی دی ہوئی گھڑی اتاری یہاں تک کہ لال مرچوں کا پیکٹ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ میرے پاس اس وقت یہی ہے۔اور چاہئے تو گھر چلو، اماں سے لے دیتا ہوں۔ضعیف عورت نے حیران ہو کر دیکھا جیسے وہ واقعی پاگل ہو۔

عبید شہر کے مشہور درزی ماسٹر محمد یوسف کا بیٹا تھا۔اکثر والد صاحب کا ہاتھ بٹاتا تھا لیکن اسے درزی بننے کا شوق نہیں تھا۔وہ درزی بننے کو معیوب یا کم تر نہیں سمجھتا تھا بلکہ اس نے دیکھا کہ باپ نے دن رات محنت کر کے

بھی عام زندگی گزاری اور کام اس وقت چھوڑا جب کمر جھک گئی۔اس وقت گھر میں محض ایک سائیکل اور بڑے بھائی کے پاس موٹر سائیکل تھی۔وہ اس طرز زندگی کو بدلنا چاہتا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کپڑے سینے سے یہ سب حاصل نہیں ہوسکتا۔والد صاحب نے اس کی خواہش کو دیکھتے ہوئے اسے یورپ بھیج دیا لیکن وہاں کی فضا راس نہیں آئی۔واپس آکر درزی کی دکان سے معاشی زندگی کے آغاز کا فیصلہ کیا۔

عبید کسی حد تک سلائی کا کام جانتا تھا لیکن کپڑے کاٹنے اور گاہکوں سے بات چیت کا تجربہ نہیں تھا۔پہلے گاہک سے بات کرتے ہی ہاتھ پیر پھول گئے۔کانپتے ہاتھوں سے ناپ لے کر کاپی پر لکھا۔

جب فرد کام کرنے کی ٹھان لے اور سامنے کوئی اور راستہ نہ ہو تو وہ مشکل سے مشکل کام کر گزرتا ہے۔پتلون کو کاٹنے میں والد صاحب سے مدد لی۔سلائی کرنے بیٹھا تو تجربہ میں کمی کی وجہ سے پتلون مقررہ ناپ سے دو انچ کم ہوگئی۔گاہک کو پتلون کی سلائی پسند آئی اور اس کی ناتجربہ کاری اور غلطی فیشن بن گئی ـــــ شہر میں کھلے پائینچے اور اوپر سے فٹنگ کا ایسا رواج چلا کہ عبید کی دکان شہر میں مشہور ہوگئی۔وقت کے ساتھ کام میں مہارت آئی۔وہ حیران ہوتا کہ شہر میں قابل اور پرانے کام کرنے والے درزی موجود ہیں لیکن اس کی دکان پر رش زیادہ ہے، یہ سب اللہ کا کرم ہے۔

جب پہلی بار ایک لاکھ روپے اکٹھے ہوئے تو بہت دیر تک سوچتا رہا کہ ان پیسوں کا کیا کرے۔رات کو دکان بند کی اور ابو، امی، بھائی اور بھابھی کے لئے چیزیں خریدیں۔وہ ایک رات میں یہ روپے خرچ کر دینا چاہتا تھا لیکن سب کے لئے تحائف خرید لینے کے باوجود ستّر ہزار روپے بچ گئے۔تحائف اور روپے اماں کو دیئے۔دوسری دکان خریدنے کی خواہش ہوئی، اللہ نے خواہش پوری کی۔کاریگر بڑھتے گئے، دکانیں ایک سے دو، دو سے چار اور چار سے چھ ہوگئیں۔

ماسٹر صاحب نے دن رات محنت کی ہے اور آج اس مقام پر ہیں۔بیگ صاحب نے اپنے دوست کا ماسٹر عبید سے تعارف کروایا۔

ماسٹر عبید نے چونک کر بیگ صاحب کو دیکھا اور سوچا کہ آخر میں نے دکان کس طرح چلالی ـــ؟ میں تو کسی کو کہنے نہیں گیا کہ کپڑے مجھ سے سلواؤ۔لوگ خود بخود آتے گئے۔اگر گاہک نہ آتے تو میں کیا کرتا ـــ؟ سب اللہ کی مہربانی ہے۔

اماں کی بات یاد آئی ـــ پتر تو دوسروں کی مدد کرتا ہے، جو کماتا ہے اس میں دوسروں کا حصہ انہیں پہنچاتا ہے اس لئے اللہ نے تیرے رزق میں برکت ڈال دی ہے۔مدد کرتے وقت کبھی یہ نہیں سوچنا کہ میں نے مدد کی ـــ یہ تیرے پاس ضرورت مند کا حق ہے جو تو نے اسے پہنچایا۔ہر ایک کو اپنے حصہ کا رزق ملتا ہے، کوئی

کسی کو کچھ دیتا ہے نہ لے سکتا ہے!

بیگ صاحب کے دوست کا ناپ لیا۔اس دوران نظر دکان کے باہر بزرگ راہ گیر پر پڑی۔قمیص کے ایک طرف جیب میں موٹر سائیکل کا ہینڈل پھنسنے سے قمیص پھٹ گئی تھی،موٹر سائیکل والا رکے بغیر تیزی سے بھاگ گیا۔بزرگ نے بھرے بازار میں قمیص پھٹنے پر شرمندگی محسوس کی ، ادھر ادھر دیکھا اور ماسٹر عبید کی دکان میں داخل ہوگئے۔

ماسٹر صاحب سلائی لگوانی ہے، موٹر سائیکل کے ہینڈل سے جیب پھٹ گئی ہے۔

ماسٹر عبید بولے، کیوں نہیں بزرگو،آپ سامنے سیڑھیاں چڑھ کر درزی خانہ چلے جائیں اور وہاں ارشد نامی لڑکا سلائی لگادے گا۔

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور تشکرانہ انداز سے ماسٹر عبید کو دیکھ کر بتائی گئی سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

ماسٹر نے بیگ صاحب کے دوست کو ایک ہفتہ کا وقت دیا۔ان کے جانے کے بعد کپڑے ترتیب سے رکھ رہے تھے کہ وہ بزرگ دوبارہ آئے اور مایوسی سے بولے، آپ کا کاریگر کہتا ہے کہ اس کے پاس وقت نہیں ہے۔

ماسٹر عبید نے دوسرے لڑکے کو آواز دی۔

نصیر پتر! ان کو درزی خانہ لے جاؤ اور قمیص پر سلائی لگوادو۔ارشد کو نیچے بھیج دینا۔

بزرگ نصیر کے ساتھ دوبارہ درزی خانہ کی سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ماسٹر عبید کو ارشد کا برتاؤ پسند نہیں آیا۔

جی ماسٹر صاحب آپ نے بلایا۔

پتر تمہارے پاس بزرگ آدمی بھیجا تھا، بے چارہ کی قمیص پھٹ گئی تھی، بھرے بازار میں پھٹی قمیص کے ساتھ وہ کیسے پھرے گا، معمولی سلائی لگانی تھی اور تم نے منع کر دیا—؟

ماسٹر صاحب، میں نے تو اس کی قمیص نہیں پھاڑی۔ اتنا وقت تو نہیں ہے ہمارے پاس کہ سارا دن لوگوں کا مفت کام کریں۔خدمت خلق کے لئے آپ الگ سے ایک بندہ رکھ لیں۔ماسٹر عبید کو اس کی ہٹ دھرمی پر غصہ آیا اس کے باوجود آرام سے سمجھایا کہ پتر اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت اللہ کے لئے نکال لینا چاہئے۔ کسی کا ٹوٹا بٹن یا سلائی لگانے میں وقت کتنا لگتا ہے؟

ماسٹر صاحب! ایسی باتیں تب سوجھتی ہیں جب بندہ کے پاس روپے پیسے کی ریل پیل ہو۔ارشد نے اکتائے ہوئے لہجہ میں جواب دیا۔

پتر! جو لوگ مال وزر اور دولت کی ریل پیل کو وسائل سمجھتے ہیں وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ زمین، ہوا، پانی، دھوپ، یہ سب وسائل ہیں۔صحت نہ ہو تو دولت کس کام کی؟ بندہ اپنی مرضی کا کھانا نہیں کھا سکتا۔اس سے زیادہ غریب کون ہوگا کہ سب کچھ ہوتے ہوئے چند ٹکڑوں پر گزارہ کرے؟ سرکار دو عالمؐ فرماتے ہیں،

''محبت سے مسکرانا بھی صدقہ ہے۔''

صدقہ خیرات صرف دولت پر موقوف نہیں ہے۔کسی

کے زخموں پر مرہم رکھنا، دل جوئی کرنا اور ضرورت مند کے پھٹے کپڑوں پر سلائی لگانا کام کی زکوٰۃ و خیرات ہے۔ اور جب تک کام سلامت ہے، کوئی اس کی زکوٰۃ سے مبرا نہیں ہوسکتا۔

ارشد نے اکتائے ہوئے لہجہ میں پوچھا، میں اب جاؤں ماسٹر جی؟ تاسف سے کہا، ٹھیک ہے پتر جاؤ۔ جو باتوں سے نہیں سیکھتے، ان کو حالات سکھاتے ہیں۔

تیز رفتار رکشے سے ارشد کی موٹر سائیکل کا ہینڈل ٹکرایا اور وہ بے قابو ہوگئی۔ رکشے والا بھاگ گیا، وہ رکشہ اسٹینڈ سے اسٹیشن تک اپنے چکر پورے کرنا چاہتا تھا ورنہ دہاڑی خراب ہو جاتی۔

ارشد کو دائیں کندھے اور سر پر ٹیسیں اٹھتی محسوس ہوئیں۔ خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔ اٹھنے کی کوشش کی لیکن اعصاب نے ساتھ نہیں دیا۔ ٹریفک تیز رفتاری سے گزر رہا تھا۔ مدد کے لئے کوئی نہیں رکا۔ ہر کسی کو اپنی فکر تھی۔

آنکھ کھلی تو ہسپتال کے بستر پر موجود تھا۔ کندھے کے پاس بندھی پٹیاں خون سے سرخ تھیں۔ گردن ہلائی تو سر میں ٹیس اٹھی، نقاہت سے آنکھیں بند کرلیں۔

مریض کو ہوش آ گیا ہے۔ نرس کی آواز سنائی دی۔ آپ اس کے لئے یہ دوائیاں لے آئیں۔ ارشد نے بند آنکھوں سے سوچا کہ لگتا ہے گھر والوں کو اطلاع مل گئی ہے۔ نقاہت سے آنکھیں کھولیں تو حیرت کا جھٹکا لگا، وہی بوڑھا شخص سامنے تھا جس کی پھٹی قمیص پر اس نے دہاڑی ضائع ہو جانے کی وجہ سے سلائی نہیں لگائی تھی۔ وہ نہایت شرمندہ ہوا کہ جن کے لئے اس کے پاس وقت نہیں تھا، انہوں نے اپنے وقت کی زکوٰۃ دے کر اس کی جان بچائی۔ ذہن میں ماسٹر عبید کی باتیں گونجنے لگیں۔

''پتر سرکار دو عالمؐ فرماتے ہیں کہ 'محبت سے مسکرا دینا بھی صدقہ ہے۔' صدقہ خیرات صرف دولت پر موقوف نہیں، زخموں پر مرہم رکھنا، دل جوئی کرنا، کسی کے کام آنا اور ضرورت مند کے پھٹے کپڑوں پر سلائی لگا دینا ہنر کی زکوٰۃ ہے اور جب تک کسی کا ہنر سلامت ہے کوئی اس کی زکوٰۃ سے مبرا نہیں ہوسکتا۔''

جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں — ؟

توہم پرست بادشاہ شکار کھیلنے نکلا تو راستہ میں بدصورت شخص نظر آیا۔ بادشاہ نے کہا، یہ آدمی میرے لئے منحوس ہے۔ جب تک اس کو کنوئیں میں نہیں پھینکو گے، میرا سفر کامیاب نہیں ہوگا۔ واپسی پر آزاد کر دینا۔ بادشاہ کو اس روز خوب شکار ملا۔ واپسی میں اس شخص کو کنوئیں سے رہائی ملی۔ رہائی پا کر بادشاہ کو سلام کیا اور کہا، جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں؟ بادشاہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس نے کہا، جناب والا! آپ نے مجھے دیکھا، آپ کو خوب شکار ملا — میں نے آپ کو دیکھا، میں کنوئیں میں قید ہوگیا۔ اب بتایئے ہم دونوں میں سے منحوس کون ہے — ؟

اقتباسات

’’ماہنامہ قلندرشعور‘‘ کوگلدستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوششیں قابل قدر ہیں۔قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے بھیج کر اس رسالہ کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم وبیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

فیضان قدرت عام ہے، جو کچھ چاہا جاتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔قدرت انسان کی راہ نمائی میں ہرلمحہ اور ہر آن مصروف عمل ہے۔ جب ہم ایٹم تلاش کر سکتے ہیں، آواز کی لہروں کو پوری دنیا میں منتشر کر سکتے ہیں، مائیکرو فلم کی تخلیق کر سکتے ہیں تو اپنے اندر اس نقطہ سے بھی وقوف حاصل کر سکتے ہیں جس کے اندر برگد کے بیج کی طرح پوری کائنات ریکارڈ ہے۔

(کتاب: آواز دوست، مرسلہ: سحر حسین، کراچی)

غصہ، نفرت، تفرقہ، بغض وعناد اس مشن کا تشخص ہیں جو بارگاہ ایزدی سے معتوب اور گم کردہ راہ ہے۔ یہ مشن کبر و نخوت، ضد اور ذاتی غرور کا پرچار کرتا ہے۔اس کردار میں وہ تمام عوامل کارفرما ہیں جن سے بندہ اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔اس کے اوپر تاریکی گھٹا بن کر چھا جاتی ہے۔ادبار اور آلام ومصائب اس طرح مسلط ہو جاتے ہیں کہ یہ خود اپنی نظروں میں ذلیل وخوار ہو جاتا ہے۔ بظاہر دنیا کی ہر آسودگی میسر ہوتی ہے لیکن دل میں ایسا ناسور پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کے تعفن سے روح کے اندر لطیف انوار اپنا رشتہ منقطع کر لیتے ہیں، اور جب قطع و برید کی یہ عادت مزمن ہو جاتی ہے تو انوار کا ذخیرہ پس پردہ چلا جاتا ہے اور اللہ کے ارشاد کے مطابق دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی جاتی ہے اور آنکھوں پر دبیز اور گہرے پردے ڈال دیئے جاتے ہیں۔ یہ محرومی اس کو نہ صرف یہ کہ دنیا میں امن وسکون سے دور کر دیتی ہے بلکہ ایسا بندہ ازلی سعادت عرفان حق سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

(کتاب: محبوب بغل میں، مرسلہ: کاشف)

الوکیل: کارساز۔ یہ اسم وَکل سے ہے جس کے معنی کسی کام سے تھک کر رہ جانے، اپنا کام دوسرے کے سپرد کرنے اور خود سرانجام دینے سے عاجز ہونے کے ہیں۔ جب انسان کسی دوسرے پر اعتماد و وثوق کر لیتا ہے تو اسے وکیل کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اسی لئے وکیل ہے کہ جملہ امور میں درستی و اصلاح، نظام عالم کی اعتمادی حیثیت، عاجز نوازی، بندہ پروری اور موجودات کے جملہ امور سرانجام دینا اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ (کتاب: جمال الٰہی، مرسلہ: فرزانہ بی بی، سکھر)

سید اسد علی

اکیس کروڑ بے روزگار افراد

لوگوں سے سوال کیا گیا کہ وہ دل کی بات مانتے ہیں یا دماغ سے فیصلے کرتے ہیں۔19 فی صد نے بتایا کہ دل کی سنتے ہیں،36 فی صد افراد کا کہنا تھا کہ دماغ سے فیصلے کرتے ہیں۔

میاں بیوی دونوں میں غصہ بہت تھا جس کی وجہ سے بچہ بھی غضب ناک تھا۔اماں ابا نے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن بچہ کا رویہ تبدیل نہیں ہوا۔

ایک دن دادا گھر آئے ۔صورت حال کے جائزہ کے بعد بیٹے اور بہو سے کہا، بچہ کے مزاج میں ٹھہراؤ کے لئے اپنا مزاج تبدیل کرو۔تم خود تو ہر وقت غصہ کرتے ہو، ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہو اور بچہ سے کہتے ہو کہ غصہ نہیں کرو—؟

اگلے روز دادا نے پوتے کو آری دی اور کہا کہ گھر کے پچھلے حصہ میں برگد کا درخت سوکھ کر خستہ حال ہو گیا ہے اور صرف شاخیں رہ گئی ہیں، جب کبھی غصہ آئے تو درخت پر چڑھ کر ایک شاخ کاٹ دینا۔

بچہ جی دادا کہہ کر کھیل کود میں مصروف ہو گیا۔

پہلے دن درخت کی پندرہ شاخیں کٹیں ۔زمین پر بکھری شاخوں کی تعداد دیکھ کر وہ چونک گیا کہ یہ اس نے کیا کیا۔پھر ہر گزرتے دن کے ساتھ شاخیں کاٹنے کی تعداد میں کمی آتی گئی اور دو ہفتے میں لڑکے کی سمجھ میں آ گیا کہ غصہ پر قابو پانا آسان اور درخت پر چڑھ کر شاخیں کاٹنا مشکل کام ہے۔

دادا نے کہا، اب غصہ آئے تو ضبط کرنا اور ہر بار کٹی ہوئی ایک شاخ درخت کی شاخ سے باندھ دینا۔

پوتے نے ایسا ہی کیا لیکن اسے جلد اندازہ ہوا کہ کٹی ہوئی شاخیں درخت سے نہیں جڑ سکتیں۔

دادا نے کہا، دیکھو! درخت شاخوں کے بغیر کیسا عجیب لگ رہا ہے۔دیکھ بھال کی جاتی تو ممکن ہے کہ یہ پھر ہرا بھرا ہو جاتا لیکن تمہارے غصہ نے اس کو ویران کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو خوب صورتی اور صلاحیتیں عطا کی ہیں، غصہ میں چیخنے چلانے سے وہ اس درخت کی طرح متاثر ہو جاتی ہیں اور دوسروں کے دل ٹوٹتے ہیں۔کیا زخم بھر جانے کے بعد نشانات باقی نہیں رہتے؟

سوچو! تم نے اپنے رویہ سے درخت اور اماں ابا کو کس قدر تکلیف پہنچائی، خود اپنے ساتھ کتنا برا کیا۔کیا ان سب کا تدارک ہو سکتا ہے—؟

بچہ بولا، اور جو اماں ابا غصہ کرتے ہیں، ہر وقت ایک

دوسرے سے لڑتے ہیں، دادا جی وہ کیا ہے ــــ؟

بچہ کے اماں ابا یہ باتیں سن رہے تھے، وہ شرمندہ ہوگئے۔ دادا نے کہا، بیٹا! اگر وہ سمجھ دار ہیں اور اپنے بچوں کا اچھا مستقبل چاہتے ہیں تو آج کے بعد تم انہیں ایک دوسرے سے نرمی سے بات کرتا دیکھو گے۔

اللہ تعالیٰ غصہ کے متعلق فرماتے ہیں:

''جو لوگ خرچ کرتے ہیں خوش حالی اور بدحالی میں اور پی جاتے ہیں غصہ اور معاف کر دیتے ہیں لوگوں کو، اللہ ایسے احسان کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے۔''

(آل عمران: ۱۳۴)

غصہ مرض ہے جو عقل مند کو بے وقوف بنا دیتا ہے۔ اس کی ابتدا بے وقوفی اور اختتام شرمندگی پر ہوتا ہے۔

ہم سب درخت کی مانند ہیں اور ہماری صلاحیتیں درخت کی شاخوں کی طرح ہیں۔ غصہ میں دوسروں سے پہلے ہم خود کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ غصہ کا اظہار عقل مندی نہیں، اس کو ضبط کرنا دانش مندی ہے۔

حدیث مبارک ہے،

''نبی کریمؐ سے کسی نے پوچھا، کون سا عمل اللہ کے غضب سے محفوظ رکھتا ہے۔ فرمایا، غصہ نہ کرنا۔'' (مسند احمد)

''غصہ شیطان کے اثر سے ہوتا ہے، شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے وضو کر لینا چاہئے۔'' (سنن ابی داؤد)

ممکن ہے بعض افراد سوچیں کہ غصہ داخلی یا انفرادی کیفیت ہے، اسے ضبط کرنے والے کا محسنین کی فہرست میں شامل ہونا کیا ہے؟ سمجھنے کے لئے درج ذیل واقعات پر غور کریں۔

غصہ کرنے والا آدمی سڑک پر چل رہا تھا کہ ایک راہ گیر سے ٹکرا گیا۔ دونوں میں بحث ہوگئی، بدمزاج شخص نے طیش میں آکر گولی مار دی۔

اسی طرح 19 سالہ لڑکے نے غصہ میں اپنے عزیز کے دو سال کے بچہ کو اتنا مارا کہ وہ مر گیا۔ وجہ بہت معمولی تھی۔ لڑکا ویڈیو گیم کھیل رہا تھا جو تشدد سے بھرپور تھا۔ بچہ نے ریموٹ کو ہاتھ لگایا، توجہ ہٹنے کی وجہ سے لڑکا گیم ہار گیا۔ شدید غصہ میں آکر بچہ کی جان لے لی۔

اس کے علاوہ گھریلو ناچاقی، لڑائی جھگڑے، طلاق وغیرہ کے اکثر معاملات کی وجہ غصہ اور انا پرستی ہے۔ غصہ میں شوہر بیوی کو طلاق دے دیتا ہے یا بیوی طیش میں آکر اپنا گھر خراب کر لیتی ہے ــــ بچے رل جاتے ہیں اور بعد میں دونوں افسوس کرتے ہیں۔ غصہ رشتوں میں دراڑ ڈالتا ہے اور ایسے دوراہے پر کھڑا کر دیتا ہے کہ شرمندگی، افسوس اور ہاتھ ملنے کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ جذباتی دباؤ اعتدال میں آنے کے بعد فرد سوچتا ہے کہ بہتر ہوتا میں غصہ ضبط کر کے درگزر کر دیتا، کم از کم یہ حالات تو نہیں ہوتے۔

غصہ کرنا عادت ہے۔ ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ بچے چھوٹی عمر میں اپنے بڑوں سے غصہ کرنا سیکھتے ہیں۔

جب چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ کیا جاتا ہے تو بچے سیکھتے ہیں کہ مشکل گھڑی میں غصہ کرنا چاہئے۔

مزید برآں یہ جان کر تعجب ہوگا کہ شہروں میں بڑھتی ہوئی آبادی بھی غصہ کی وجوہات میں سے ہے۔ 1800ء میں دنیا کی کل آبادی میں سے تین فی صد شہروں میں رہتی تھی جب کہ 2008ء میں دنیا کی آدھی آبادی شہروں میں رہ رہی تھی۔ آئندہ زمانہ میں دنیا کی کل آبادی کے 70 فی صد افراد شہروں میں رہائش پذیر ہوں گے۔ شہری آبادی بڑھنے سے مسائل اور مسائل سے غصہ میں اضافہ ہو رہا ہے۔

مثلاً میکسیکو سٹی کی آبادی تقریباً دو کروڑ اور شہر میں گاڑیوں کی تعداد خاصی زیادہ ہے۔ گنجان آبادی اور گاڑیوں کی بہتات کی وجہ سے روز ٹریفک جام ہوتا ہے اور لوگ ایک دوسرے سے الجھ جاتے ہیں۔

آبادی زیادہ اور انتظامات ناکافی ہونے کی وجہ سے کئی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً آلودگی، رہائش کا مسئلہ، بے روزگاری اور جرائم کی شرح۔

مالی بحران مزاج کو تبدیل کر رہا ہے۔ پوری دنیا میں معاشی مسائل کا شکار افراد چڑچڑے پن کا شکار ہیں۔ 2010ء کی عالمی مالیاتی ادارے (IMF) اور عالمی ادارہ محنت (ILO) کی رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں 21 کروڑ سے زیادہ افراد بے روزگار ہیں، یہ تعداد اب کتنی ہے، نہیں معلوم۔

تعصب اور ناانصافی سے بھی غصہ کو تحریک ملتی ہے۔ جب رنگ نسل اور مذہب کی وجہ سے امتیازی سلوک برتا جائے تو لوگ احساس محرومی اور غصہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ٹی وی، ویڈیو گیمز اور انٹرنیٹ بھی معاشرہ پر غلط اثرات مرتب کرنے کا سبب ہیں۔

فلموں اور ٹی وی پروگراموں کے معروف تجزیہ نگار کہتے ہیں کہ ایسی نسل جو بار بار ظلم و تشدد کے مناظر دیکھتی ہے، وہ ظلم کو جائز تصور کرتی ہے اور تشدد کو برا خیال نہیں کرتی، ان میں رحم کا جذبہ کم ہو جاتا ہے۔

جناح اسپتال کراچی کے شعبہ نفسیات اور اعصابیات کے سربراہ پروفیسر ڈاکٹر اقبال آفریدی کہتے ہیں کہ غصہ کی وجہ قوت برداشت کی کمی ہے۔ پاکستان میں لوگوں میں قوت برداشت بہت کم ہوگئی ہے۔ ہمیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ آجاتا ہے۔ پھر یہ کہ لوگ پانی کم پیتے ہیں اور ورزش نہیں کرتے ہیں۔ ایک خیال یہ ہے کہ غصہ بے بسی کا ردعمل ہے۔

بچوں کا کہنا نہ ماننا، شریک حیات کو نظر انداز کرنا، محلّہ والوں کے ساتھ تعاون نہ کرنا، گھر کے سامنے کچرا پھینک دینا، کسی کو خود سے آگے بڑھتے دیکھ کر حسد کرنا روزمرہ غصہ کے اسباب میں سے ہیں۔

ماہر نفسیات ڈاکٹر مان کہتی ہیں کہ آرام دہ زندگی ہمیں نازک مزاج بنا رہی ہے۔ معمولی اور چھوٹے واقعات ہمیں غصہ میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ جدید طرز زندگی کی عادات کی وجہ سے ہماری توقعات میں بے حد اضافہ

ہوگیا ہے۔ بہترین سے کم تو ہمیں پسند نہیں آتا، اور اگر توقعات پوری نہ ہوں تو غصہ آجاتا ہے۔

گیلپ پاکستان نے غصہ کے حوالہ سے سروے کیا جس میں دو ہزار چھ سو انتیس خواتین و حضرات کی رائے جمع کی گئی۔ سروے کے مطابق 55 فی صد پاکستانیوں کو بہت جلد غصہ آجاتا ہے جب کہ صرف سولہ فی صد ایسے ہیں جنہیں غصہ نہیں آتا۔ مردوں کو خواتین کی بہ نسبت جلد غصہ آتا ہے۔ لوگوں سے سوال کیا گیا کہ وہ دل کی بات مانتے ہیں یا دماغ سے فیصلے کرتے ہیں تو 19 فی صد نے بتایا کہ دل کی سنتے ہیں، 36 فی صد افراد کا کہنا تھا کہ دماغ سے فیصلے کرتے ہیں جب کہ 43 فی صد نے کہا کہ یہ حالات پر منحصر ہوتا ہے۔

غصہ کی کیفیات کو ذہن میں دہرائیں تو غصہ کی تصویر سے نفرت ہو جائے گی۔ مثلاً دھڑکن تیز ہو جاتی ہے، کئی افراد کو پسینہ آتا ہے، ہاتھ پاؤں لرزنے لگتے ہیں، کچھ افراد سر اور پیٹ میں درد کی شکایت کرتے ہیں، چہرہ سرخ ہو جاتا ہے، تناؤ پیدا ہوتا ہے، لوگ مٹھیاں بھینچنا اور دانت پیسنا شروع کر دیتے ہیں، سامنے رکھی چیز نظر نہیں آتی، سگریٹ نوش زیادہ سگریٹ پینے لگتے ہیں۔ کچھ افراد توڑ پھوڑ اور چیخ کر غصہ کا اظہار کرتے ہیں اور کچھ خاموش ہو جاتے ہیں۔

غصہ درج ذیل امراض کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

امراض قلب: بات بات پر غصہ کرنے والوں میں امراض قلب کے امکانات بڑھنے کی وجہ سے دل کا دورہ پڑ سکتا ہے۔ غصہ خون کے بہاؤ کو غیر معمولی طور پر تیز کرتا ہے جس سے خون پمپ کرنے کے لئے اضافی محنت سے دل پر دباؤ پڑتا ہے۔

فالج: شدید غصہ عارضی یا تاحیات معذوری کا سبب بن سکتا ہے یعنی فالج۔ بیماری سے خون میں لوتھڑے (clots) بننا شروع ہوتے ہیں۔ خون کے تیز بہاؤ کی وجہ سے لوتھڑے تیزی سے حرکت کر کے جسم کے کسی بھی حصہ میں جا کر خون کی روانی کو کم یا متاثر کرنے کا سبب بن سکتے ہیں، متاثرہ حصہ فالج زدہ ہو جاتا ہے۔

قوت مدافعت میں کمی: بہت زیادہ غصہ کرنے والے افراد کی قوت مدافعت کم زور ہو کر ایک وقت کے بعد ناکارہ ہو جاتی ہے۔

پیٹ میں درد: ایسے افراد کو اکثر پیٹ میں شدید درد کی شکایت ہوتی ہے کیوں کہ غصہ سے تیزابیت اور کولیسٹرول کی مقدار میں اضافہ ہوتا ہے۔

ایگزیما: غصہ جلد کے لئے سخت نقصان دہ ہے اور ایگزیما کا سبب بن سکتا ہے۔ غصہ اور منفی جذبات جسم میں تیزابیت زدہ ہارمون پیدا کرتے ہیں جو جلد سمیت پورے جسم کے لئے نقصان دہ ہے۔

بلند فشار خون: غصہ بلند فشار خون کا سبب ہے اور فرد اس سے منسلک بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ دماغ کی رگ پھٹنا بھی اس میں شامل ہے۔

پھیپھڑوں کی بیماریاں: صرف تمباکو نوشی پھیپھڑوں کو نقصان نہیں پہنچاتی، غصہ بھی پھیپھڑوں کے لئے اتنا نقصان دہ ہے جتنا تمباکو یا الکوحل کا استعمال۔

اب غصہ کی سائنس پڑھئے۔ جسم میں مختلف کیمیائی مادے جذبات کو تحریک دینے کا سبب ہیں جن سے مزاج اور شخصیت ترتیب پاتی ہے۔ محققین کے مطابق ہر جذبہ کا دورانیہ 12 منٹ ہوتا ہے۔ غصہ بھی کیمیائی ردّوبدل سے پیدا ہوتا ہے مثلاً نیند پوری نہیں ہوئی، کھانا نہیں کھایا، ضرورت سے زیادہ نمک کھالیا وغیرہ۔ ان سے بلڈ پریشر بڑھتا ہے۔ جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ کسی بھی کیمیائی ردعمل کا دورانیہ 12 منٹ ہے، 12 منٹ کے بعد جسم دیگر کیمیائی مادے پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے سابقہ کیمیائی مادوں کا ردعمل ماند پڑ جاتا ہے۔ یعنی اگر ہم 12 منٹ گزار لیں تو کیفیات اور جذبات کی طغیانی سے بآسانی نکل سکتے ہیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ ہم اپنے رویہ کی بدولت 12 منٹ کو طول دیتے رہتے ہیں اور وہ جذبہ جسے 12 منٹ کے بعد ماند ہوجانا چاہئے تھا گھنٹوں، دنوں، مہینوں یا شخصیت پر محیط ہوجاتا ہے۔

غصہ کے جن پر کیسے قابو پائیں ــــ؟

اللہ کے دوست غصہ سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ بابا فریدالدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں:

فریدا برے دا بھلا کر غصہ من نہ ہنڈاء
دیہی لوگ نہ لگیے، پلے سب کچھ پاء

ترجمہ: فریدا برے کا بھلا کرو تاکہ غصہ دل میں تصرف نہ کرلے۔ اگر تم روگ نہیں لگانا چاہتے ہو تو غصہ والی چیزیں نظرانداز کردو۔

خوش اخلاق اور نرم دل فرد گداز طبیعت کا حامل ہوتا ہے اور غصہ سے دور رہتا ہے جب کہ سرکش، خودسر اور ضدی لوگ غصہ کے روگ میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

مہاتما گوتم بدھ نصیحت کرتے ہیں،

''منفی جذبات کو ابلنے نہیں دو، ان کے پیچھے ناقص طرز فکر کا تجزیہ کرو۔''

تہیہ کرلیں کہ ہمیں غصہ پر قابو پانا ہے۔ کوئی آپ کو بدلنا چاہے لیکن آپ خود کو تبدیل نہ کریں تو تبدیلی نہیں آتی۔ ہم خود کو بدلنا چاہتے ہیں اور سارا ماحول خلاف ہو تو ہماری قوت ارادی کی بدولت تبدیلی آجاتی ہے۔

خامی کا جائزہ لینا، خامی کو دور کرنا ہے۔ جیسے غصہ کن باتوں پر اور کیوں آتا ہے، ناگوار بات کو نظرانداز کرنا کیوں مشکل محسوس ہوتا ہے، کیا اس سے لوگوں کو اور خود ہمیں تکلیف پہنچتی ہے، غصہ کے نتائج کیا ہیں۔ غصہ سے نجات کے لئے لوگوں سے توقعات رکھنے والی اور ہر بات کو منفی طور پر دیکھنے کی عادت کا تدارک کرنا ہوگا۔ ضروری ہے کہ ہم اپنی گفتگو میں سے یہ جملے نکال دیں۔

★ یہ سب ان کی غلطی ہے۔
★ میں ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔
★ میرے ساتھ ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔

★ دوسروں کو بھی اپنا رویہ اچھا رکھنا چاہئے۔

★ زندگی میں پریشانی ہی پریشانی ہے وغیرہ۔

اس کے برعکس ہمیں اللہ کریم کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہئے۔سوچئے کہ بینائی نہ ہو، بیماری لاحق ہوجائے، معدہ کام نہ کرے تو کیا ہو—؟ آپ کو یہ اور اس جیسی لاشمار نعمتوں کی اہمیت کا احساس ہوگا۔

یاد رکھئے! غصہ آپ کو تنہا کر دیتا ہے۔

فرد بیاروں اور دوستوں کو خود سے دور کر دیتا ہے۔

غصہ رزق میں برکت اور صحت کا دشمن ہے۔

غصہ کرنے والا اللہ کے دوستوں میں شامل نہیں۔

کسی سے بدگمان ہونے کے بجائے ایک بار شائستگی سے اس سے بات کر لینی چاہئے، بہت ممکن ہے کہ بدگمانی دور ہوجائے کیوں کہ بیش تر معاملات خود ساختہ سوچ اور غلط فہمی سے خراب ہوتے ہیں۔

ایک عزیز کا واقعہ ہے کہ ان سے کسی نے شکایت کی کہ آپ نے ہمارا فون نمبر بلاک کیا ہوا ہے۔وہ صاحب بہت حیران ہوئے اور کہا، میں نے آج تک کسی کا نمبر بلاک نہیں کیا۔فون دیکھا تو معلوم ہوا کہ فون پر گیم کھیلنے کے دوران چھوٹے بیٹے نے غلطی سے نمبر بلاک کر دیا تھا۔وضاحت ومعذرت سے بدگمانی دور ہوگئی۔

لہٰذا مفروضے قائم کرنے سے گریز کریں۔معاف کرنے اور معافی مانگنے کا جذبہ رکھئے۔

کچھ اس طرح سے میں نے زندگی کو آسان کر لیا
کسی سے معافی مانگ لی، کسی کو معاف کر دیا

گہرے سانس لیں

ہر وہ بات جو تم سے کہی جاتی ہے، اگر تم اس پر جلد بازی اور جذباتی ردعمل کا اظہار کرو گے تو تکلیف ختم نہیں ہوگی اور ہمیشہ اذیت میں مبتلا رہو گے۔ردعمل ظاہر کرنا طاقت نہیں ہے، ردعمل نہ ظاہر کرنا طاقت ہے۔تم نے کسی کے فعل کا اثر نہیں لیا اور تم اتنے مضبوط ہو کہ کسی کی بات تمہارے سکوت کو متاثر نہیں کرتی۔اصل طاقت ماتھے پر بل آئے بغیر تحمل سے رہنا اور حالات کا دانائی سے مشاہدہ اور تجزیہ کرنا ہے۔ردعمل — ابال ہے اور ابال جارحانہ اور غصیلے مزاج کی علامت ہے۔

جواب دینا آسان ہے مگر— جواب نہ دینا اس سے زیادہ آسان ہے اگر تم اس کے پیچھے حکمت جانتے ہو۔اگر الفاظ تمہارے مزاج کو چلاتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ کوئی بھی تمہیں قابو کر سکتا ہے کیوں کہ الفاظ ہر ایک کے پاس ہیں۔اس لئے تمہارے پاس تحمل اور ضبط ہونا چاہئے۔گہرا سانس لو اور ناموافق باتوں کو گزرنے دو تا کہ حالات تمہارے موافق ہو جائیں۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

''غصہ کی آگ پہلے غصہ کرنے والے کے خون میں ارتعاش پیدا کرتی ہے اور اس کے اعصاب متاثر ہو کر اپنی انرجی (energy) ضائع کر دیتے ہیں۔یعنی اس کے اندر قوت حیات ضائع ہو کر دوسروں کو نقصان پہنچاتی ہے۔اللہ تعالیٰ نوع انسانی کے لئے کسی قسم کے بھی نقصان کو پسند نہیں فرماتے۔''

قاصد بیاں کرے کسی کے دل کا حال کیا
اس کی زباں ہائے کبوتر کا پر نہیں

یہ خطوط بادشاہ وقت کو لکھے جاتے تھے۔ ایک چھوٹے معزز خطابیہ لفظ سے بادشاہ کو یاد کیا جاتا، بلا کسی اور بات کے اصل مطلب شروع ہو جاتا اور آخر میں صرف دن اور وقت لکھ دیا جاتا تھا۔

بسکہ دارد اشتیاق دیدنِ مطلوب ما
بال بر بال کبوتر می پرد مکتوب ما

ترجمہ: ہمارا خط ہمارے محبوب کو دیکھنے کے اشتیاق میں کبوتر کے پروں کے ساتھ اڑا جا رہا ہے۔

ریل کی حیرت انگیز ایجاد نے جن لوگوں کو کسی خبر کے جلد حاصل کرنے کا خوگر بنا دیا ہے وہ تعجب میں ہوں گے کہ زمانۂ قدیم میں جب نہ یہ قوتیں مجتمع ہوئی تھیں اور نہ ڈاک کا انتظام تھا، ضروری خبریں شہر بہ شہر کیسے پہنچتی ہوں گی؟ جنگ کے موقعوں میں کس طریق سے کام لیا جاتا ہوگا؟ فوج کی ضرورت، اسباب رسد کی کمی، آلات حرب کی غیر موجودگی۔ فتح وظفر — جن کا مدار انہیں باتوں کی موجودگی پر ہے، کس فریق کو نصیب ہوتی ہوگی؟ ایسے میں لگتا ہے کہ فتح کا مدار اتفاقات پر ہوگا یا جس فریق کے پاس ان چیزوں کی زیادہ کمی ہوتی ہوگی وہ ہی شکست کا دل شکن منہ دیکھتا ہوگا۔

زمانۂ قدیم کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے زمانہ کی ضرورتوں کے موافق ذرائع پیدا کئے۔ تاریخِ عالم کے دیکھنے والے اور افسانۂ عالم کے سننے والے خوب جانتے ہیں کہ دنیا کے کارخانے اسی روش پر چلتے آئے ہیں۔ ہر زمانہ میں ضرورت کے موافق کوئی چیز رفع ضرورت کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی اور آگے چل کر کسی دوسری چیز کی ایجاد اسے فضول ٹھہرا دیتی تھی اور اُس وقت اُس قسم کی ضروریات پیدا ہو جاتی تھیں۔

دنیائے تاریک میں ایک زمانہ ایسا گزرا ہے کہ بحری سفر کے لئے کوئی ذریعہ نہ تھا اور دنیا کی ضرورتیں بھی پوری ہوتی تھیں۔ پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ بحری سفر کا آسان ذریعہ پیدا ہوا جسے کشتی سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر کشتی میں تغیرات ہوتے رہے اور اسی کے مطابق ضرورت پیدا ہوتی رہی۔ رفتہ رفتہ ایک وہ زمانہ آیا کہ کشتی نے اپنی وسعت میں ترقی کی اور حالت ترقی کا نام اہل دنیا نے آبی جہاز رکھا۔ اس کے بعد اجتماع عناصر سے اسٹیم کا راز دریافت کر کے دخانی جہاز (اسٹیمر) وجود میں آیا۔ اب وہی جہاز جس کی

وسعت اور تیز رفتاری پر زمانہ تعجب کرتا تھا اور جس کی ایجاد نے تمام متمدن دنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا، اب وہ آبی جہاز کم اہم تصور کیا جانے لگا اور ہر طرف اسٹیمر کا رواج ہوگیا۔ اب سوچو کہ یہ کیوں ہوا؟ کس لئے ہوا؟ قدرت نے دنیا کے کارخانے اسی طریق پر رکھے ہیں اور اس میں نظام عالم کا بڑا بھاری راز ہے۔

پچھلے زمانہ میں جس حیرت ناک طریقہ سے جلد خبر کے پہنچ جانے کا ذریعہ پیدا کیا گیا تھا، واقعی بات یہ ہے کہ وہ ریل سے کہیں زیادہ تعجب خیز ہے کیوں کہ ریل کی ایجاد کتنی حیرت انگیز کیوں نہ ہو مگر فی نفسہٖ ریل اس قابل نہیں ہے کہ عقل تعجب کی نگاہ سے دیکھے۔ چند قوتوں کا اجتماع عجیب وغریب سرعت پیدا کرسکتا ہے۔ یہ کوئی تعجب والی بات نہیں۔ البتہ ایسا زمانہ جس میں انتقالِ ذہنی کا بظاہر کوئی سامان نہ ہو، اس میں ایجاد تعجب خیز ہے۔ نہ کہ وہ زمانہ جس میں سینکڑوں اسباب موجود ہوں اور ایجادات نے راستہ کی داغ بیل ڈال دی ہو۔ اس دور میں جس حیوان کے ذریعہ سے یہ انسانی کام لیا گیا، عام زبان میں اسے ''کبوتر'' کہتے ہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی عجیب وغریب کتاب ''حسن المحاضرۃ فی تاریخ مصر والقاھرۃ'' اور علامہ ابن فضل اللہ دمشقی کی ''التعریف بالمصطلح الشریف'' رکھی ہوئی ہیں اور ہم اس کی ورق گردانی سے اپنی انتشار طبیعت کی گردش کو دور کر رہے ہیں۔ ان دونوں کتابوں میں کبوتروں کے ڈاک کی پوری کیفیت اور احوال دل چسپ طریقہ سے تحریر کئے گئے ہیں۔ قارئین کی دل چسپی کے لئے دونوں مستند کتابوں، نیز بعض دیگر کتابوں سے کبوتروں کا کچھ حال ترجمہ کرکے ترتیب دیتے ہیں۔ اس سے نئی روشنی کے پرستاروں کو معلوم ہوگا کہ ایجادت کا سلسلہ صرف اِس زمانہ پر موقوف نہیں بلکہ پچھلے زمانوں میں بھی حیرت انگیز ایجادات کا سلسلہ دیکھنے والوں کو حیران کرچکا ہے۔

خوف ہے کہ کوئی صاحب ہمارے بیان کو شاعرانہ خیال پر محمول نہ فرمائیں کیوں کہ بلبل کے نغموں اور کبوتر کی نامہ بری کا شعرا نے ذکر کیا ہے اور ان کے دیوان اول سے آخر تک کبوتر کے بیانات سے بھرے پڑے ہیں۔ لیکن کبوتر کا ذکر شاعری میں ہونے کی وجہ سے اس کی نامہ بری کی صلاحیت کو افسانہ نہیں سمجھا جاسکتا۔ کیا لیلیٰ مجنوں کے سچے نالوں کو ہم اس وجہ سے کہ شاعر انہیں شاعری میں پیش کرتے ہیں، فرضی ٹھہرائیں گے؟

پتہ لگانا مشکل ہے کہ کبوتر نامہ کا موجد کون ہے؟ مغربی اور مشرقی تاریخیں اس بارے میں خاموش ہیں۔ ہاں اسلامی تاریخ اس امر کا ضرور پتہ دیتی ہے کہ اسلامی سلسلۂ سلطنت میں سب سے پہلے نور الدین محمود زنگی کے وقت میں اس کی ابتدا ہوئی اور گویا اسلام میں اس کی داغ بیل ڈالنے والا نور الدین ٹھہرا۔

بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں

شام اور مصر پر یورپ کے متواتر حملے ہو رہے تھے اور بے خبری کے سبب سے موقع پر کسی طرح کی شاہی فوج نہیں پہنچ سکتی تھی، اس وقت نور الدین محمود زنگی نے کبوتروں کی ڈاک اپنے تمام قلم رو میں قائم کی اور ان کے ذریعہ سے خبر رسانی کا انتظام کیا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ یورپ کی دست اندازیوں سے پہلے سلطان کو خبر ہو جایا کرتی تھی اور وہ موقع پر فوج بھیج کر اس کا کافی انسداد کر دیتا تھا۔ اس طریقہ کے برتنے سے تھوڑے دنوں میں سلطنت میں امن وامان آ گیا اور ہر طرف اس کے انتظام کے ڈنکے بجنے لگے۔

سلطان نے کس سن میں یہ انتظام کیا جس سے یہ نتیجہ نکل سکے کہ اسلام میں کس سن سے اس ڈاک کی ابتدا ہوئی؟ مؤرخین کو اس میں اختلاف ہے مگر ہمارے نزدیک سب سے مستند قول یہ ہے کہ ''یہ انتظام 567ھ میں ہوا۔'' پس عالم اسلام میں اس طریقہ کو رائج کرنے والا جسے اضافی حیثیت سے موجد کہنا چاہئے سلطان نور الدین محمود زنگی ہے۔

نور الدین کے بعد مشہور اسلامی فاتح صلاح الدین ایوبی کے زمانہ میں بھی اس سے کام لیا گیا۔ چناں چہ محاصرۂ عکا کے زمانہ میں اہل شہر اس طریق سے لشکر تک خبریں پہنچایا کرتے تھے۔ اس زمانہ کا مشہور پیراک عیسیٰ جب کچھ روپیہ یا مال واسباب لے جایا کرتا تو رسید اہل شہر کو کبوتروں کے ذریعہ سے ارسال کر کے اطمینان دلا دیتا تھا۔ ظاہر ہوتا ہے کہ کبوتروں پر کس قدر اعتماد تھا۔

بغداد میں خلیفہ الناصر الدین نے ایک محکمہ کبوتروں کی غورو پرداخت کے لئے قائم کیا تھا۔ مصر میں جس وقت اس کی قسمت کی باگ فاطمی خلفا کے ہاتھ میں تھی، کبوتروں کی ڈاک کا بہت رواج تھا۔ ان لوگوں نے بہ نسبت اور بادشاہوں کے ادھر زیادہ توجہ کی۔

ڈاک کا یہ طریقہ تھا کہ تمام قلم رو میں تقریباً تیس، چالیس میل کے فاصلہ پر ان کی چوکیاں مقرر کی گئی تھیں۔ ہر چوکی میں ایک عمدہ کبوتر خانہ بنایا گیا اور منشی مقرر کیا گیا۔ جب کسی قسم کی خبر اس تک پہنچتی وہ فوراً کاغذ پر لکھ کر کبوتر کے بازو پر باندھ دیتا اور کبوتر وہاں سے نہایت تیز اڑتا ہوا دوسری چوکی پر پہنچتا تھا۔ وہاں کا منشی فوراً اس کے بازو سے خط کھول کر دوسرے کبوتر کے بازو پر باندھ دیتا تھا۔ وہ وہاں سے اڑ کر تیسری چوکی پر آتا اور پھر اس طرح چوکی بہ چوکی ہوتے ہوئے قلیل عرصہ میں خبر منزل مقصود تک پہنچ جاتی۔ خبر کی زیادتی کے سبب سے خبر کو دو کبوتروں پر تقسیم کر کے دونوں کو ایک ساتھ بھیجا جاتا۔ ایسے میں ایک خط کا ذکر دوسرے خط میں مختصراً کر دیا جاتا۔ مقصود یہ تھا کہ اگر کسی وجہ سے دوسرے کبوتر کو دیر ہو جائے تو اس کا انتظار کیا جائے۔

خبر لکھنے کے لئے خاص کاغذ تھا جو اپنی ساخت میں سبک اور ہلکا ہوتا تھا۔ کاغذ کا نام عام زبان میں ''ورق الطیر'' رکھا گیا۔ اسی نام سے وہ تمام قلم رو میں مشہور تھا۔ لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ ابتدا میں بسم اللہ لکھنے کے بجائے

پڑھ لیا جاتا تھا۔

ہر حیوان کا قاعدہ ہے کہ اس پر جس قدر کم بوجھ ہوتا ہے، اسی قدر وہ تیز رفتار ہوتا ہے۔ ہاں آخر میں نیک فالی کی غرض سے حسبنا اللہ ونعم الوکیل لکھ دیتے تھے اور خط میں آس پاس حاشیہ بھی نہیں چھوڑتے تھے۔ یہ خطوط بادشاہ وقت کو لکھے جاتے تھے ۔ ایک چھوٹے معزز خطابیہ لفظ سے بادشاہ کو یاد کیا جاتا، بلا کسی اور بات کے اصل مطلب شروع ہو جاتا اور آخر میں صرف دن اور وقت لکھ دیا جاتا تھا۔ بادشاہ اپنے ہاتھ سے خط کھول کر پڑھتا تھا۔ خاص شاہی منزل کے اوپر کبوتروں کی نزول گاہ* بنائی گئی تھی۔ حکم تھا کہ جب نزول الطیر ہو اس وقت بادشاہ کو، چاہے وہ خواب و استراحت اور کھانے پینے میں مشغول کیوں نہ ہو، اطلاع دی جائے، ایک منٹ کا وقفہ نہ کیا جائے۔

کبوتروں کی چوکیاں کہاں سے کہاں تک تھیں اور کتنے فاصلہ پر تھیں؟ اس کا صحیح طور سے پتہ نہیں چلتا۔ ہاں التعریف میں لکھا ہے کہ عموماً تیس چالیس میل کا فاصلہ ہوا کرتا تھا، کہیں اس سے کم، کہیں اس سے زیادہ۔ غالباً راہ کی صعوبتیں ان حدود کی معیار تھیں۔

۷۴۸ ہجری میں جب کبوتروں کے ڈاک کی حالت تنزل میں تھی، جہاں اور جس قدر فاصلہ پر چوکیاں مقرر ہوئیں، ان کا نقشہ کتاب ''التعریف'' میں ہے، ہم چند کا ذکر کر دیتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ترقی کے وقت کیا کیفیت ہوگی۔

۱۔ از قاہرہ تا بلبیس (بلبیس نواح مصر میں واقع ہے، اور فسطاط سے تیس میل کے فاصلہ پر ہے)

۲۔ از غزہ تا نابلس (نابلس بیت المقدس سے چالیس میل کے فاصلہ پر ہے)

۳۔ از حماہ تا معرہ (معرہ حلب کے نواح میں پندرہ میل کے فاصلہ پر ہے)

۴۔ از حلب تا بیرہ (بیرہ حلب کے نواح میں ایک قلعہ کا نام ہے)

جن کبوتروں کے کچھ اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان کے متعلق ہر ایک شخص غور میں ہوگا کہ وہ کیسے ہوں گے، ان میں فطرتاً کیا اوصاف ہوں گے، انہیں کیا سکھایا اور پڑھایا جاتا ہوگا، آخر اس کی صورت کیا ہوگی؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ویسے ہی کبوتر ہوں گے جیسے کہ آج کل شیرازی کبوتر ہوا کرتے ہیں۔ مگر شہر موصل میں ایک قسم کے کبوتر ہوتے تھے جن کا نام وہاں کی اصطلاح میں ''مناسیب'' ہے۔ یہ کبوتر فطرتاً بہ نسبت دیگر کبوتروں کے چالاک اور آدمی سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں، انہیں سے کبوتر نامہ کا کام لیا جاتا تھا۔

ان کی بھی بہت سی اقسام ہیں۔ خاص نسل اور خاص خاص قسم کے کبوتر کا انتخاب ہوتا۔ الناصر الدین نے بغداد میں اور فاطمی خلفا نے مصر میں جو محکمے قائم کئے تھے ان میں کبوتروں کی اقسام سے واقف اور ان کے

نزول گاہ (کبوتروں کے اترنے کا چھجّا)

شجرۂ نسب کے حافظ لوگ ملازم تھے۔ خاص نسل کے عمدہ کبوتر ہزار ہزار دینار تک فروخت ہوتے تھے اور محکمہ انہیں بخوشی خرید سکتا تھا۔ اس کے بعد کبوتروں کو اڑا اڑا کر اور تعلیم یافتہ کبوتروں کے ہم راہ پھرا کر سکھایا جاتا تھا۔ ان کی چالاک طبیعت فوراً سیکھ جاتی تھی۔

کبوتروں کے مخصوص شجرۂ نسب ہوا کرتے تھے اور نسب نامے بڑی تحقیق کے ساتھ لکھے جاتے تھے۔ بغداد میں کبوتروں کی غور و پرداخت* کے لئے وسیع محکمہ قائم کیا گیا (یہ محکمہ 591 ہجری میں قائم ہوا)۔ تعلیم کے لئے ماہر اساتذہ مقرر کئے جاتے تھے۔ اس محکمہ میں وہ کتابیں تصنیف کی گئیں جن میں کبوتروں کے نسب نامے اور طریقہ تعلیم وغیرہ بطور دستور العمل کے درج ہوں۔ چناں چہ قاضی محی الدین بن ظاہر نے ایک کتاب کبوتروں کی عادات و خصائل اور طریقہ پیغام رسانی پر لکھی ہے، جس کا نام ''تمائم الحمام'' ہے۔

سلاطین وقت نے اس سے بڑے فوائد حاصل کئے ہیں۔ سلطان نورالدین کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

بغداد کا خلیفہ الناصر الدین سلطنت کے کسی واقعہ سے بے خبر نہ رہتا تھا۔ اس کی بادشاہت کا رعب شام سے ہندوستان تک تھا۔ چین تک اس کا اثر حکومت پہنچا اور اسپین میں اس کے نام پر دعائیں کی گئیں۔

لڑائی کے موقعوں میں جب اور کوئی ذریعہ نہیں ہوتا تو کبوتروں سے مخبری کا کام لیا جاتا ہے۔

اردو فارسی میں بکثرت کبوتروں کی نامہ بری کا ذکر ہے مگر عربی ادب اس سے بے حد متاثر ہوا۔ اہل ادب نے اس کی مدح سرائی کی اور خاص قصیدے اور مختلف نظمیں اوصاف میں لکھی ہیں۔ علاوہ ازیں عجیب و غریب ناموں سے یاد کیا ہے۔ ملائکۃ الملوک*، ملک الطیور* اور کیا کیا کچھ پرلطف نام رکھے گئے ہیں۔

آج کل تو نامہ بر کبوتروں کی کہیں سے آواز نہیں آتی۔ تارِ برقی کی حیرت ناک ایجاد نے یہ سب خواب و خیال کر دیا ہے۔ اب نہ کسی محکمہ کی ضرورت ہے نہ موصل میں جا کر ''مناسیب'' کے تلاش کرنے کی۔ بس دو روپیہ جیب سے نکال کر تار آفس میں جا کر دے دیجئے۔ کاغذ کے لئے ورق الطیر کی ضرورت نہیں۔ ورق التار مفت ملا کرتا ہے، خبر لکھ دیجئے۔ ہاں اختصار اسی طرح مدنظر رہے۔ ارجنٹ تار دو گھنٹے میں مکتوب الیہ کو پہنچ جائے گی۔ لیجئے! کہاں کے کبوتر اور کیسا محکمہ!

گو اس وقت کبوتروں کی نامہ بری موقوف ہو گئی ہے مگر خیر سے ''دنیائے شاعری'' میں ابھی تک بڑے زور و شور سے جاری ہے۔ اس عجیب دنیا میں یہ حضرت کبوتر عجیب عجیب کام کرتے ہیں۔ کبھی تو عشاق کی خبریں، ان کی دردناک کیفیت محبوب تک پہنچا دیتے ہیں اور کبھی بیچارے عاشق پر توجہ نہیں کرتے اور محجوبانہ انداز دکھلاتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مژدۂ وصل سے عشاق کو مسرور کر دیں مگر بہت کم!

غور و پرداخت (خبر گیری)، ملائکۃ الملوک (بادشاہوں کے قاصد)، ملک الطیور (پرندوں کے بادشاہ)

شاعری کی دنیا میں کبوتر کو قاصد اور صبا کے برابر جگہ دی جاتی ہے جو ان کے لئے باعث افتخار ہے۔ ان کی موجودگی کو عشاق قسمت کی یاوری اور عدم موجودگی کو بدنصیبی سمجھتے ہیں اور حالت یاس میں کہتے ہیں کہ،

نہ قاصدے نہ صبائے نہ مرغ نامہ برے
کہ زبے کسی ما نمی برد خبرے

ترجمہ: نہ کوئی قاصد ہے نہ صبا ہے اور نہ کوئی نامہ بر پرندہ ہے۔ ہماری بے کسی کی خبر کون لے جائے گا؟

کبھی کبوتر کی سرخ سرخ آنکھیں اس طور پر تسلیم کی جاتی ہیں کہ وہ ہمارے دردوغم کو دیکھ کر رو رہا ہے۔

سرخی چشم کبوتر ہیچ می دانی ز چیست
نامہ ام می برد و بر درد دلم خون می گریست

ترجمہ: کبوتر کی آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں کیوں کہ وہ خط لے جا رہا ہے اور میرے درد دل پر خون کے آنسو رو رہا ہے۔

غرض دنیائے شاعری میں کبوتر کی نامہ بری کی تعریف جاری ہے۔

جواب نامۂ من غیر ناامیدی نیست
زدست سودن بال کبوترم پیداست

ترجمہ: کبوتر کا پر ہلانا افسوس سے ہاتھ ملنا ہے۔ یعنی میرے خط کا جواب ناامیدی کے سوا کچھ نہیں۔

قاصد ادائے نامہ تواند نہ عرض شوق
حیف از زبان کہ بال کبوتر نمی شود

ترجمہ: قاصد نہ میرا خط پڑھ سکتا ہے نہ میرے دل کا حال بیان کرسکتا ہے۔ افسوس ہے اس کی زبان کبوتر کے پر جیسی نہیں۔

صوبہ سندھ کے شہر جیکب آباد میں ڈیڑھ سو سال پرانا کبوتر گھر ہے جو جنرل جان جیکب نے 1860ء میں تعمیر کروایا تھا۔ یہ اپنی نوعیت میں منفرد اور نوآبادیاتی سندھ کی پہلی کبوتروں کی نرسری کہلاتی ہے۔ جنرل جان جیکب نے یہ نرسری اس زمانہ میں ناقص ابلاغی نظام، دوردراز علاقوں کی وجہ سے اور جاسوسی کے مقصد کے تحت اپنی رہائش گاہ کے احاطہ میں قائم کی۔ کبوتر گھر کی عمارت 30 فٹ بلند ہے۔ اس میں تقریباً 320 چھوٹے آشیانے بنائے گئے۔ جنرل جیکب کی رہائش گاہ، ڈی سی آفس میں تبدیل ہو چکی ہے تاہم اس سے ملحق کبوتر گھر میں آج بھی 300 سے زائد کبوتر مقیم ہیں اور ان کی غٹرغوں اپنے ماضی کی یادوں کو تازہ کرتی محسوس ہوتی ہے۔ البتہ اس تاریخی کبوتر گھر کی دیواروں میں دراڑیں پڑ چکی ہیں۔

محمد عاصم بیگ

غلطی نہ ماننا ــــ غلط ہے

آپ گاڑی میں بیٹھتے ہیں اور سیٹ بیلٹ نہ باندھیں تو فوراً بیپ ہونا شروع ہوجاتی ہے اور دو تین منٹ تک ہوتی رہتی ہے۔ ڈرائیور اس آواز کو ایسے سنتا ہے جیسے اس نے ماحول میں معمول کی کوئی آواز سن لی ہو۔

آفس سے واپسی پر گھر جانے کے لئے گاڑی نکالی۔ خیال آیا کہ آج دوسرے راستہ سے جانا چاہئے۔ خیال کو نظر انداز کر کے اس ہی راستہ پر گاڑی دوڑا دی جس سے روز آنا جانا ہوتا ہے۔ کچھ فاصلہ طے کیا تھا کہ گاڑیوں کی طویل قطاریں دکھائی دیں۔ اب راستہ تبدیل کرنے کے انتخاب کا وقت بھی نہیں تھا۔ ناچار ٹریفک میں پھنس گیا۔ ادھر ادھر ناگواری سے دیکھتے ہوئے یاد آیا کہ گھر سے نکلتے ہوئے خیال آیا تھا کہ آج راستہ تبدیل کیا جائے۔ اگر سن لیتا تو ٹریفک میں پھنسنے کی کوفت سے بچ جاتا۔

یہ روزمرہ کے تجربات میں ایسا تجربہ ہے جس سے ہر فرد کئی بار گزرتا ہے۔ پہلے اسے ایک کام کرنے کا خیال آتا ہے اور پھر دوسرا خیال آتا ہے جس کو قبول کرنے سے پہلا خیال رد ہوجاتا ہے اور فرد کسی اور سمت میں نکل جاتا ہے۔ نتیجہ میں وہ وقت کے ضیاع اور کوفت کا شکار ہوکر خود کو کوسنے لگتا ہے۔ بسا اوقات مطلوبہ نتیجہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

غور کریں کہ یہ تجربات کیا ہیں:

۱۔ آدمی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی خیال کو آنے سے روک دے۔ البتہ وہ خیال کو نظر انداز کرسکتا ہے۔ نظر انداز کرنے کا مطلب دوسرے خیال پر عمل کرنا ہے۔

۲۔ خوشی، سکون اور اطمینان یا غم، بے سکونی اور بے آرامی کا تعلق اس بات سے ہے کہ وہ کس خیال کو نظر انداز کرتا ہے یا کس خیال پر عمل کرتا ہے۔

۳۔ ہر حرکت اور عمل کی بنیاد خیال ہے۔ اگر ہم خود کو ایک کھلونا تصور کریں تو اس کھلونے میں چابی خیال ہے۔ خیال کی چابی سے ہم چلتے پھرتے ہیں، ہنستے کھیلتے ہیں، غمگین ہوتے ہیں یا خوش ہوتے ہیں۔ اگر خیال نہ ہو، تو ہماری حیثیت بے معنی ہے۔

۴۔ کردار کا تعین خیالات کے انتخاب سے ہوتا ہے۔ اگر آدمی ایسے خیالات کا انتخاب کرتا ہے جس میں تخریب اور شر ہے تو اس کا کردار خود اس کے اور دیگر افراد کے لئے تکلیف کا باعث ہے۔ اور اگر وہ ایسے خیالات کا انتخاب کرتا ہے جس میں خیر و تعمیر ہے تو وہ

خود بھی خوش رہتا ہے اور لوگوں کے لئے بھی آرام و سکون کا سبب بن جاتا ہے۔

چوں کہ خیال کے انتخاب سے کردار کی تعمیر ہوتی ہے، لہٰذا اس ایجنسی کا سراغ لگانا ضروری ہے جو اچھائی کو برائی سے الگ کرتی ہے۔

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں:

''ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک صلاحیت دی ہے جو اس کی راہ نمائی کرتی ہے، جس کے تحت وہ اچھائی اور برائی، خیر اور شر میں تمیز کرتا ہے۔ اس صلاحیت کو نورِ باطن یا ضمیر کہتے ہیں۔ ضمیر کی راہ نمائی کو قبول کرنے یا رد کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بااختیار کیا ہے۔ انسان کو ضمیر کی تحریکات کو سمجھ کر راہ نمائی قبول کرنی چاہئے۔''

ضمیر ایک ایسی راہ نما ایجنسی ہے جو اچھائی اور برائی کے درمیان فرق کو ایک دوسرے سے الگ کرتی ہے۔

آیئے خیال اور ضمیر کے میکانزم کو سمجھتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ حرکت کی بنیاد خیال ہے چناں چہ کسی بھی کام کو کرنے سے پہلے ذہن میں خیال آتا ہے۔ خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے آدمی اس کام کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے ضمیر راہ نمائی کرتا ہے کہ ــــ یہ کام اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ طرز اور قوانین کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر آدمی ضمیر کی راہ نمائی کو نظر انداز کرتا ہے تو یہ عکاسی ہے کہ ارادہ کرنے کے بعد آدمی کو جو پہلا خیال آیا، اسے چھوڑ کر دوسرے خیال کا انتخاب کر لیا گیا ہے۔ اور یہ دوسرا خیال ضمیر کی راہ نمائی کے برعکس ہوتا ہے۔ کام دوسرے خیال کے مطابق سرانجام ہو تو فرد کا یہ عمل نیت کے ساتھ ریکارڈ ہو جاتا ہے۔ آخری الہامی کتاب قرآن کریم میں اس ریکارڈ کو ''سجین'' کا نام دیا گیا ہے۔ اسی طرح اگر ضمیر کی راہ نمائی کے مطابق عمل کیا جائے تو بھی ایک ریکارڈ بنتا ہے جسے ''علیین'' کا نام دیا گیا ہے۔ علیین اور سجین، دونوں کی وضاحت قرآن کریم میں ''کتاب المرقوم'' سے کی گئی ہے۔

انسان اور آدمی کے اندر ضمیر وہ ایجنسی ہے جو علم رکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پسند اور رضا کیا ہے۔ چناں چہ کوئی بھی عمل جب ضمیر کی راہ نمائی کے مطابق کیا جاتا ہے، اس سے ہمیشہ سکون، اطمینان اور خوشی حاصل ہوتی ہے اور علیین کے ریکارڈ میں یہ عمل اور کیفیات درج ہو جاتی ہیں۔ جو عمل ضمیر کی راہ نمائی کو نظر انداز کر کے، اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ طرز کے مطابق کیا جاتا ہے، ایسا فرد خوف، ڈر، بے سکونی، پریشانی اور بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یہ عمل اور کیفیات سجین کا ریکارڈ بن جاتی ہیں۔

مثال: آدمی کو بھوک لگتی ہے۔ وہ کھانا کھانے کا ارادہ کرتا ہے۔ اس ارادہ پر ضمیر راہ نمائی کرتا ہے کہ جائز طریقہ سے محنت مزدوری یا کاروبار کے ذریعے رزق حاصل کر کے اور بھوک کے تقاضے کی تسکین کی جائے۔ اگر وہ ضمیر کی راہ نمائی کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس کے

کردار پر فرماں برداری اور نیکی کی چھاپ لگ جاتی ہے۔لیکن اگر وہ اس راہ نمائی کو نظر انداز کرتا ہے اور رزق کے حصول کے لئے چوری کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو ضمیر تنبیہ کرتا ہے کہ یہ عمل جائز نہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

ضمیر کی تنبیہ کے باوجود اگر آدمی چوری کر لے تو اب اس کے کردار پر چور کی چھاپ لگ جاتی ہے۔ دونوں حالتوں میں بھوک کے تقاضے کی تسکین ہوتی ہے لیکن ایک حالت میں سجین کا ریکارڈ بنتا ہے تو دوسری حالت میں علیین کا ریکارڈ بنتا ہے۔

زندگی کا ہر عمل بیان کردہ دو رخوں کے زیر اثر واقع ہوتا ہے۔ صحیح راستہ پر استقامت کے لئے آدمی کا اس رخ پر چلنا ضروری ہے جس کی راہ نمائی ضمیر نے کی۔

ضمیر و ذہن میں اک سرد جنگ جاری ہے
کسے شکست دوں اور کس پہ فتح پاؤں

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ جب پہلا خیال ضمیر کی آواز ہے تو دوسرا خیال کیا ہے؟

دوسرا خیال وہ مرحلہ یا مقام ہے جہاں سے شک، وسوسہ اور وہم کی ابتدا ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس مرحلہ پر شیطان کو کارگزاری کا موقع ملتا ہے۔ دوسرا خیال ـــ شک، وسوسہ اور دلیل کی صورت میں آدمی کو ضمیر کی آواز نظر انداز کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

آیئے ـــ چند مثالوں سے اس بات کو سمجھتے ہیں۔

★ سائل کے سوال کرنے کے بعد اس کی مدد کرنے کا خیال آنا۔ پھر فوراً یہ خیال آنا اور اس پر دلیل دینا کہ فلاں کی مدد کرنے کا مجھے کیا فائدہ ہوا یا ہوگا اور یہ کہ سوال کرنے والا مدد کا مستحق نہیں ہے۔

★ معاف کرنے یا درگزر کرنے کا خیال آنا۔ اس کے بعد فوراً یہ خیال کہ جس شخص پر غصہ آرہا ہے اسے سبق سکھانا ضروری ہے ـــ چاہے بول کر یا کسی طرح تکلیف پہنچا کر۔

★ کام کے غلط ہوجانے یا کسی کی دل آزاری ہونے پر اپنی غلطی مان لینے اور معافی مانگنے کا خیال آتا ہے۔ اور اگلے لمحہ دوسرا خیال کہ چھوڑو دوسرے بھی تو ایسا کرتے ہیں۔ اسی طرح غلطی نہ ماننا بھی غلط ہے۔

دوسرے خیال پر عمل کرنے سے آدمی نہ صرف اپنے لئے مشکلات میں اضافہ کر لیتا ہے بلکہ اس کے ہاتھ پچھتاوے اور افسوس کے سوا کچھ نہیں آتا۔

سوال یہ ہے کہ ضمیر کی راہ نمائی کو قبول کر کے اس پر عمل پیرا ہونے کا کیا طریقہ ہے؟

انبیائے کرام اور اولیاء اللہ نے ایک مشق ''محاسبہ'' بیان فرمائی ہے۔ محاسبہ وہ عمل ہے جس کی مشق سے آدمی اس قابل ہوجاتا ہے کہ دونوں طرح کے خیالات میں فرق کر سکے۔ وہ جان لیتا ہے کہ کون سا خیال ضمیر کی راہ نمائی ہے اور کون سا ضمیر کے خلاف۔

قرآن کریم میں ایسے لوگوں کا تذکرہ ہے:

''حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر انہیں چھو بھی جاتا ہے تو فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لئے صحیح طریقہ کار کیا ہے۔'' (الاعراف: ۲۰۱)

محاسبہ مسلسل کیا جانے والا عمل ہے جس کا اطلاق خیالات، افکار، کیفیات اور اعمال پر ہوتا ہے۔ اس ضمن میں حضرت علیؑ کا واقعہ پیشِ خدمت ہے۔

غزوہ خندق کے موقع پر حضرت علیؑ کی ایک غیر مسلم سے لڑائی ہوگئی۔ حضرت علیؑ نے اسے چت کر دیا اور اس کے سینہ پر بیٹھ کر سر قلم کرنا چاہتے تھے کہ اس شخص نے آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ حضرت علیؑ اسے چھوڑ کر کھڑے ہوگئے۔ اس نے کہا، آپ کو مجھے قتل کر دینا چاہئے۔ باب العلم حضرت علیؑ نے فرمایا،

''نہیں — پہلے لڑائی اللہ تعالیٰ کے لئے تھی۔ اب جب تو نے تھوک دیا تو مجھے غصہ آ گیا اب میں قتل نہیں کروں گا تو یہاں سے چلا جا۔''

یہ سن کر وہ آدمی مسلمان ہو گیا۔

محاسبہ برگزیدہ ہستیوں کی صفت ہے۔

پہلے خیال کے سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مجھے پہلا خیال آیا اور میں نے یہ کر دیا اور وہ کر دیا۔ جب کہ خیال کے تحت جو کام انہوں نے کیا وہ نہیں کیا جانا چاہئے تھا۔ وجہ یہ ہے کہ آدمی کا ذہن شکوک و شبہات میں اس قدر الجھا ہوتا ہے کہ پہلے اور دوسرے خیال میں فرق نہیں کرتا۔

یہ امر مسلم ہے کہ پہلا خیال غلط نہیں ہوتا۔ لیکن اس فرد کا کیا جائے جس کو خیال میں معنی پہنانے کی عادت ہے — ؟ چور جس چیز کو دیکھتا ہے، اسے چوری کا خیال آتا ہے۔ کیا یہ اس کا پہلا خیال ہے — ؟ اسے معنی پہنانے کی اتنی عادت ہے کہ وہ ہر شے کو بنیادی طور پر چوری کرنے کی نظر سے دیکھتا ہے۔ بات طرز فکر کی ہے۔ جس طرح کی طرز فکر ہوتی ہے، اسی مناسبت سے فرد خیالات کو دیکھتا ہے، معنی پہناتا ہے اور معنی نہیں پہناتا۔ غلط سمت میں جانے پر ضمیر راہ نمائی ضرور کرتا ہے لیکن دس میں سے نو لوگ ایسے ہیں جن کو اس آواز کو سننے کی عادت نہیں ہے۔ کس طرح — ؟

آپ گاڑی میں بیٹھتے ہیں اور سیٹ بیلٹ نہ باندھیں تو فوراً بیپ ہونا شروع ہو جاتی ہے اور دو تین منٹ تک ہوتی رہتی ہے۔ ڈرائیور اس آواز کو ایسے سنتا ہے جیسے اس نے ماحول میں معمول کی کوئی آواز سن لی ہو۔ بیپ ہوتی رہتی ہے لیکن اسے اس کی آواز نہیں آتی اور نہ وہ اس طرف متوجہ ہوتا ہے کہ یہ آواز کب رکی ہے۔ البتہ جب آواز رکتی ہے تو سامنے بنے ہوئے اشاروں پر سیٹ بیلٹ سے متعلق اشارہ سرخ ہو جاتا ہے اور بے آواز، لیکن جلتا بجھتا رہتا ہے۔ مگر کیا آپ اس طرف متوجہ ہوتے ہیں — ؟

حامد ابراہیم

لکیروں میں تصویر

ناک متوازن ہوتو تصویر خوب صورت بنتی ہے۔آدمی جب کسی چہرہ کو دیکھتا ہے پہلے ناک پر نظر پڑتی ہے۔ناک دیگر خدوخال کو واضح کرتی ہے۔

ہر ایجاد کے پیچھے خیال، سوچ یا فکر کا رفرما ہے۔ خیال کیا ہے اور اس کے ماخذ سے کیسے واقف ہوں؟

جب ذہن نے مضمون لکھنے کے لئے اس خیال کو قبول کیا تو گہرائی میں غور وخوض کی ابتدا ہوئی اور اطلاع تصویر میں ڈھلنا شروع ہوگئی۔تصویر کی ابتدا آڑی ترچھی لکیروں سے ہوئی۔ ذہن میں مبہم خاکہ تھا۔توجہ سے خاکہ واضح ہوا مگر اس میں رنگ نہیں تھے۔ رنگ شیڈز ہوتے ہیں کہ کان کی ساخت کیا ہو، ناک ستواں ہو یا چوڑی، گال بھرے ہوئے ہوں یا پچکے ہوئے۔ آنکھیں بادامی ہوں یا پھر غزالی ، ہونٹ گلاب کی پنکھڑی ہوں ، پیشانی کشادہ ہو وغیرہ ۔ یہ سب ایک رنگ کے مختلف شیڈز ہیں۔رنگ مقدار اور شیڈز ذیلی مقداریں ہیں۔ بنیادی طور پر چہرہ کا رنگ ایک ہوتا ہے مگر ذیلی رنگوں میں فرق سے آنکھ، ناک اور کان کی ساخت مختلف ہوجاتی ہے۔

میں جو تصویر بنا رہا تھا اس میں بظاہر آنکھ کان اور ناک نہیں تھی لیکن یہ بھی کسی وجود کا چہرہ ہے جس کے اپنے خدوخال ہیں۔خاکہ میں رنگ بھرنے سے تصویر واضح ہوگئی، وہ تصویر جو کاغذ پر منتقل ہونے سے پہلے ذہن میں تھی اور دیکھنے والوں نے ابتدا میں اسے لکیریں سمجھا۔ لکیروں میں جس تناسب سے ربط قائم ہوا، وہ تناسب تصویر کی پہچان بن گیا۔(دیکھئے شکل نمبر ۱)

تصویر کی جزئیات کیا ہیں —؟ وضاحت کے لئے غور وفکر کے اگلے مرحلہ کا آغاز ہوا۔محققین نے علم اور تجربہ کے مطابق طبعی قوانین اور میسر ٹیکنالوجی بروئے کار لاتے ہوئے خیال کو مجسم صورت دی۔ایجاد جس عمل کی انتہا ہے، اس کی ابتدا خیال ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جب تک ایجاد نے ممکن یعنی مادی قالب کی شکل اختیار نہیں کی، اس کی حیثیت ذہن میں اطلاع اور اس کے تنزلات یعنی واہمہ، خیال، تصور سے زیادہ نہیں۔ یہ مراحل غیر مادی ہیں۔ چناں چہ مادی حواس اس دنیا میں جس شے کو محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس شے کی بساط

شکل نمبر ا

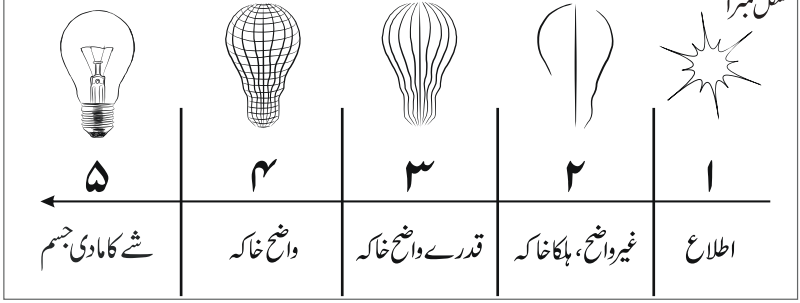

(اصل) غیر مادی حالت میں ہے۔ وہ بساط کیا ہے اور کیا اسے دیکھنا اور سمجھنا ممکن ہے ــــ؟

مثال ا: جدید ہوائی جہاز کی ایجاد امریکی رائٹ برادران کی کاوش ہے۔ ان سے پہلے لوگوں نے مختلف قسم کے گلائیڈر بنا کر اڑان کی کوشش کی، بعض کو کسی حد تک کامیابی ملی۔ البتہ رائٹ برادران دو متوازی پروں پر مشتمل گلائیڈر میں موٹر انجن نصب کر کے مختصر اڑان میں کامیاب ہوئے۔

جن لوگوں کو ہوا میں اڑنے کا خیال آیا انہوں نے توجہ خیال میں مرکوز کر دی۔ علم اور ذہنی استعداد کے مطابق عمل کا آغاز ہوا۔ اڑنے کی قدرتی مشینیں یعنی پرندے پہلے سے موجود تھے۔ ان کی جسامت، ساخت، پروں کے میکنزم، ہوائی حرکیات (Aerodynamics)، وزن بلحاظ حجم وغیرہ کا مطالعہ کیا گیا اور پھر اڑنے کے خیال کی تشریح کی گئی۔

سب سے پہلے پروں پر مشتمل مشین کا تصور پیدا ہوا۔ تصور بنیادی خاکہ یا ڈرائنگ کی صورت میں کاغذ پر منتقل کیا گیا۔ نقائص دور کرنے کی کوشش شروع کی گئی۔ اس پر کشش ثقل، ہوا کے دباؤ، رفتار، پروں کے ڈیزائن، حجم اور دوسرے طبعی قوانین کا اطلاق کیا گیا حتیٰ کہ خاکہ حتمی ڈرافٹ بن گیا۔ ڈرافٹ یا تصویر کے مطابق لکڑی، لوہے اور دست یاب ٹیکنالوجی کی مدد سے پروں پر مشتمل ڈھانچا بنایا گیا۔ مزید تجربات یا تحقیق سے نقائص کی اصلاح کی گئی۔ بالآخر محقق نے اس مشین پر پہلی پرواز کی۔

رائٹ برادران سائیکل کی فروخت کا کام کرتے تھے اڑنے کے خیال میں بے خیال ہوئے تو پروں پر مشتمل گلائیڈرز بنائے اور کامیابی سے مختصر پروازیں کیں۔

موٹر انجن ایجاد ہوا تو کچھ تبدیلیاں کر کے اسے گلائیڈر میں نصب کیا گیا اور ہوائی جہازوں کی صنعت کاری کا آغاز ہو گیا۔ اب تک اس صنعت میں بے تحاشا ترقی ہو چکی ہے۔ آواز کی رفتار سے تیز طیارے عام ہیں، مسافروں اور تجارت وصنعت کے لئے انتہائی جسیم اور بھاری بھرکم جہاز ہوا کے دوش پر رواں دواں ہیں۔

ایجاد کے دو رخ ہیں۔

۱۔ مجسم یا مادی صورت ۲۔ خیال اور تصور کا تانا بانا

دوسرے رخ کو نظر انداز کرنے سے لامحالہ پہلے رخ کی نفی ہو جاتی ہے۔ خیال اپنی وسعت میں لا محدود ہے، کسی قسم کی قید نہیں کہ اڑنے کے لئے کیا طریقہ اور ٹیکنالوجی استعمال کی جائے۔ حدود کا نفاذ سوچ بچار اور معنی پہنانے سے شروع ہوتا ہے اور معنی پہنانے کا تعلق ذہنی و علمی سطح، معاشرتی طرزوں، رویوں اور استعداد سے ہے۔ چناں چہ جس سطح اور وسعت کے حامل ذہن نے خیال پر کام شروع کیا، اسی مناسبت سے ایجاد عمل میں آئی۔ یہی وجہ ہے کہ دو مختلف خطوں میں بسنے والے افراد کو ایک خیال آتا ہے لیکن رونمائی مختلف ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بنیادی نوعیت کے اوزار اور آلات دوسرے خطہ سے مختلف ہیں۔ یعنی خیال کا مادی رخ اپنی وسعت میں محدود ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس دنیا میں جو شے مادی آنکھ سے نظر آتی ہے، دراصل غیر مادی لکیروں کے تانے بانے یا خاکہ پر قائم ہے۔ یہ خاکے (لکیریں) اس وقت بھی موجود تھے جب مادی جسم نہیں تھا۔ نقش موجود نہ ہو تو جسم نہیں بنتا۔ اسی طرح گھر بنانے کے لئے پہلے نقشہ بنتا ہے۔ سمجھنے میں آسانی کے لئے ایجادات کی مثال دی گئی ہے وگرنہ ہر شے نقوش اور تانے بانے پر قائم ہے۔

مثال ۲: فنون لطیفہ کا اہم ترین جزو فن مصوری ہے۔ اس فن کے اساتذہ نے مبتدی طلبا و طالبات کے لئے اصول و ضوابط اور طریق کار وضع کئے ہیں۔ عوام الناس میں مصوری کے حوالہ سے غلط فہمی یہ ہے کہ مصور خواتین و حضرات خیال میں گم ہو کر آڑی ترچھی لکیریں کھینچتے یا رنگ بکھیر دیتے ہیں اور تصویریں بن جاتی ہیں یعنی مصور کو تصویر بنانے کے لئے الگ سے مطالعہ اور مشق کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ خیال ناقص ہے۔

جس طرح دوسرے علوم میں طالب علم قدم بقدم چل کر ایک کے بعد ایک جماعت پڑھتے ہیں، انہیں مسلسل محنت اور مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے، یہی صورت فن مصوری کی ہے۔ پہلے لکیروں کا علم سکھایا جاتا ہے کہ سیدھی، خم دار اور آڑی ترچھی لکیریں کس طریقہ سے مختلف شکلوں کا روپ اختیار کرتی ہیں اور ان کی پیمائش درست رکھنے کا کیا طریقہ ہے۔ مصوری کا طالب علم بخوبی واقف ہے کہ مبہم خاکہ، واضح ڈرائنگ یا تصویر لکیروں کے جال پر قائم ہے جسے گراف کہتے ہیں۔

چہرہ کے خدوخال کی بنیاد ناک ہے۔ فن مصوری میں سب سے زیادہ ناک کی مشق کرائی جاتی ہے۔ ناک متوازن ہو تو تصویر خوب صورت بنتی ہے۔ ناک چہرہ پر سب سے نمایاں ہوتی ہے۔ آدمی جب کسی چہرہ کو دیکھتا ہے پہلے ناک پر نظر پڑتی ہے۔ ناک دیگر خدوخال کو واضح کرتی ہے۔ (شکل نمبر ۲ پر غور کیجئے)

کاغذ پر موجود تصویر ہیئت اور وجود کے اعتبار سے دو

شکل نمبر ۲

ابعاد یعنی لمبائی اور چوڑائی میں بند ہوتی ہے۔ اس میں تیسری ڈائی مینشن موجود نہیں کیوں کہ جن لکیروں پر تصور قائم کیا گیا ہے وہ لکیریں صرف دو ڈائی مینشن میں ہیں۔ اگر تصویر کی بنیاد تین ابعاد بنیں تو لازماً تصویر بھی ابعاد ثلاثہ میں مجسم صورت میں مظہر بنے گی۔

تحقیق وتلاش کے موجودہ دور میں اس کی ایک مثال 3D پرنٹنگ ہے۔ کمپیوٹر میں 3D پروگرام میں لکیروں کے جال کی مدد سے ماڈل تشکیل دیا جاتا ہے جو آدمی، جانور، گاڑی یا کسی شے کا ہو سکتا ہے۔ ماڈل کے خدوخال ترتیب دیئے جانے کے بعد پرنٹنگ کی کمانڈ 3D پرنٹر کو بھیجی جاتی ہے۔

پرنٹنگ کی کمانڈ میں شے کی تمام تفصیلات ہیں۔ 3D پرنٹر میں عام پرنٹر کی طرح سیاہی اور رنگوں کے بجائے مخصوص مادہ پاؤڈر کی صورت میں ہوتا ہے۔ خصوصیت یہ ہے کہ کسی بھی شکل میں ڈھالنے کے لئے حرارت پہنچائی جائے تو یہ ٹھوس حالت اختیار کر لیتا ہے۔

چناں چہ پرنٹر دی گئی اطلاع کے مطابق کسی بھی شے کے ماڈل کو مخصوص مادہ کی مدد سے ایک قالب میں ڈھال دیتا ہے۔ ابعاد ثلاثہ میں موجود اس قالب کی بنیاد لکیروں کا وہ جال ہے جسے کمپیوٹر میں ترتیب دیا گیا۔

قارئین کرام! جس طرح لکیروں کے بغیر خاکہ، تصویر یا 3D ماڈل نہیں بنتا اسی طرح دنیا میں ہر شے لکیروں کے جال پر قائم ہے ورنہ ترتیب قائم نہیں ہوتی۔ سمجھنا مشکل نہیں کہ لکیروں کی حیثیت ان پر ظاہر ہونے والے قالب سے زیادہ اہم ہے کیوں کہ جسے ہم مختلف نام دے رہے ہیں، وہ انہی لکیروں پر قائم ہے۔ لکیریں جن پر مادی اجسام کا قیام ہے، کیا ہیں؟ انہیں دیکھنا اور سمجھنا کیسے ممکن ہے ــــ؟

امام سلسلہ عظیمیہ فرماتے ہیں:

''جب اسکولوں میں ڈرائنگ سکھائی جاتی ہے تو ایک کاغذ جس کو گراف کہتے ہیں ڈرائنگ کی اصل میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کاغذ میں گراف یعنی چھوٹے چھوٹے چوکور خانے ہوتے ہیں۔ ان چوکور خانوں کو

بنیاد قرار دے کر ڈرائنگ سکھانے والے استاد چیزوں، جانوروں اور آدمیوں کی تصویریں بنانا سکھاتے ہیں، استاد یہ بتاتے ہیں کہ ان چھوٹے خانوں کی اتنی تعداد سے آدمی کا سر، اتنی تعداد سے ناک، اتنی تعداد سے منہ اور اتنی تعداد سے گردن بنتی ہے۔ ان خانوں کی ناپ سے وہ مختلف اعضا کی ساخت کا تناسب قائم کرتے ہیں جس سے تصویر بنانے میں آسانی ہوتی ہے۔ گویا یہ گراف تصویروں کی اصل ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں اس گراف کو ترتیب دینے سے تصویریں بن جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح نسمہ کی یہ لکیریں تمام مادی اجسام کی ساخت میں اصل کا کام دیتی ہیں۔ ان ہی لکیروں کی ضرب تقسیم موالید ثلاثہ کی ہیئتیں اور خدوخال بناتی ہیں۔ لوح محفوظ کے قانون کی رو سے دراصل یہ لکیریں یا بے رنگ شعاعیں چھوٹی بڑی حرکات ہیں۔ ان کا جتنا اجتماع ہوتا جائے گا اتنی ہی اور اس طرز کی ٹھوس حسیات ترکیب پاتی جائیں گی۔ ان ہی کی اجتماعیت سے رنگ اور کشش کی طرزیں قیام پاتی ہیں۔ اور ان ہی لکیروں کی حرکت اور گردشیں وقفہ پیدا کرتی ہیں۔ ایک طرف ان لکیروں کی اجتماعیت مکانیت بناتی ہے اور دوسری طرف ان لکیروں کی گردش زمانیت کی تخلیق کرتی ہے۔''

مضمون کی ابتدا میں سوال تھا کہ خیال کا ماخذ کیا ہے۔ خیال اطلاع ہے — اطلاع کے نزول کے مراحل ہیں۔ ابتدا لکیروں سے ہوتی ہے۔ لکیریں پہلے مبہم، اس کے بعد معمولی گہری اور پھر بتدریج گہری ہوتی جاتی ہیں۔ لکیریں دراصل گراف پر حدود قائم ہونا ہے تاکہ فردان کی مدد سے لاشعور سے واقف ہونے کی کوشش کرے کیوں کہ لاشعور لکیروں کی بنیاد ہے۔

قلندر بابا اولیاؒ نے جامع اور واضح انداز میں مادی اجسام کی اصل ''لکیروں'' کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔ یہ لکیریں جن روشنیوں سے بنی ہیں وہ نسمہ کی روشنیاں کہلاتی ہیں۔ نسمہ کی روشنی عام روشنی نہیں ہے۔ عام روشنی کو مادی نگاہ سے دیکھنا ممکن ہے جب کہ نسمہ کی روشنی کو صرف روح کی آنکھ دیکھتی ہے۔

یہ بھی وضاحت ہوتی ہے کہ نسمہ کی روشنیاں نہ صرف مادی اجسام کی تخلیق کا باعث ہیں بلکہ مادی حواس کی تخلیق بھی ان سے ہوتی ہے۔ مادی جسم جس کو ہم مرتے دم تک اپنا اصل جسم سمجھتے ہیں، نسمہ کی روشنیوں کے جال کے اوپر قائم ہے۔ حضور قلندر بابا اولیاؒ نے واضح انداز میں نسمہ کی روشنیوں کو بیان فرمایا ہے۔

مصور ایک تصویر بناتا ہے پہلے وہ خود اس تصویر کے نقش و نگار سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ مصور اپنی بنائی ہوئی تصویر سے اگر خود مطمئن نہ ہو تو دوسرے کیوں کر متاثر ہوں گے۔ نا صرف یہ کہ دوسرے لوگ متاثر نہیں ہوں گے بلکہ تصویر کے خدوخال مذاق کا ہدف بن جائیں گے اور اس طرح خود مصور بے چینی، اضطراب و اضمحلال کے عالم میں چلا جائے گا۔ ایسے کام کریں آپ خود مطمئن ہوں، آپ کا ضمیر مردہ نہ ہو جائے اور یہی وہ راز ہے جس کے ذریعے آپ کی ذات دوسروں کے لئے راہ نمائی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

روشن ذہن کردار

بچوں کی تربیت کا چارٹ

۱۔ ماں کے الفاظ اور تصورات بچوں کو منتقل ہوتے ہیں۔
۲۔ بچوں کو کسی کے سامنے مت ڈانٹیں البتہ اچھی باتوں پر سب کے سامنے تعریف کریں۔ جس بچہ کو گھر سے اعتماد ملتا ہے وہ باہر کے ماحول سے متاثر نہیں ہوتا۔
۳۔ باہر کے ماحول سے محفوظ رکھنے کے لئے بچوں سے مسلسل بات چیت ضروری ہے۔
۴۔ بچوں کی تربیت ان کے رجحان کے مطابق کریں۔
۵۔ بچوں کے درمیان تقابل سے گریز کریں۔
۶۔ نصابی سرگرمیوں کے ساتھ کردار پر خصوصی توجہ دیں۔
۷۔ مصروفیت کے لئے تعمیری سرگرمی تلاش کریں۔
۸۔ بچوں سے باتیں کریں، سوال پوچھنے پر انہیں مطمئن کریں۔ انہیں مختلف انداز سے سوچنا سکھائیں تاکہ وہ مظاہر کائنات میں تفکر کی طرف متوجہ ہوں۔
۹۔ اچھی کہانیاں اور اچھا ادب پڑھنے والے بچے دیگر بچوں سے منفرد ہوتے ہیں۔
۱۰۔ ماں باپ کی طرز فکر کیئر آف اللہ پیٹرن پر قائم ہو تو بچے روشن ذہن اور باکردار ہوتے ہیں۔
۱۱۔ اللہ سے محبت کریں تاکہ آپ کا بچہ اللہ کے ساتھ اپنے تعلق سے واقف ہو۔

چند افراد پر مشتمل گروپ سے سوال کیا جائے اور جواب یکساں ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ ''غور وفکر'' کی کمی ہے۔ جواب کی بنیاد مشترک ہوسکتی ہے لیکن ایک بات کو مختلف زاویوں سے بیان کرنا، سوچ میں گہرائی اور موضوع میں دلچسپی کی علامت ہے۔

تفکر کی صلاحیت ہر فرد کے اندر ہے اور نشوونما میں ماں باپ اور ماحول کا کردار اہم ہے۔ اس کے علاوہ مشق کے ذریعے شعور کو آمادہ کیا جاتا ہے کہ وہ گہرائی تک رسائی کی کوشش کرے۔

ذہنی اور جسمانی تربیت کا بہترین دور عمر کے ابتدائی سال ہیں۔ بچہ کی تربیت کا عمل نرم و نازک، پھول دار پودے کی آبیاری کی طرح ہے۔ پودے کو سخت، پتھریلی اور خشک زمین میں منتقل کر دیا جائے تو دھوپ کی تیز اور اضافی مقدار اس کی نمی کھینچ لیتی ہے۔ کومل وجود تیز ہوائیں برداشت نہیں کرتا۔

بچہ پودے کی طرح لطیف ہے۔ بچہ میں نزاکت و لطافت سمجھنے کے لئے یاد رکھنا چاہئے کہ بچہ نور کے عالم سے ماں کے رحم میں منتقل ہوتا ہے تاکہ مادی وجود تیار ہو اور عالم ناسوت میں زندگی کا آغاز کیا جاسکے۔

بچہ کی شعوری حساسیت کا یہ عالم ہے کہ وہ ماحول میں مدھم ارتعاش سے متاثر ہوجاتا ہے ۔ ماں کے خیالات لہروں کی شکل میں قبول کرتا ہے۔

ماں کے خون سے ملنے والی غذا میں معمولی تغیر بچہ کو متاثر کرتا ہے۔ وہ ماں کے وجود کا حصہ ہونے کے ساتھ انفرادی وجود ہے، اطلاعات وصول کرتا ہے اور انہیں محفوظ کرتا ہے ۔ یہ اطلاعات اس کا مزاج بن جاتی ہیں۔ سیب کھاتے ہوئے ماں کے تصور میں اللہ تعالیٰ کی صناعی ہو کہ اللہ نے سیب میں ذائقہ اور توانائی کی مقداریں رکھی ہیں۔ نتیجہ میں بچہ کے اندر خوشی، توانائی اور اللہ کی محبت کی تصویر نمایاں ہوتی ہے۔

تمہید کا مقصد یہ ہے کہ ماں کوئی چیز دیکھتی اور سوچتی ہے تو اس کا اثر ''اندر'' منتقل ہوتا ہے۔ مشاہدہ ہے کہ ماں خوش اور صحت مند ہو تو بچے بھی صحت مند اور خوش مزاج ہوتے ہیں۔

محقق محو حیرت ہیں کہ شیر خوار (infants) بچے کیا سوچتے ہیں — ؟ کیوں کہ اس عمر میں اظہار الفاظ کے ذریعے نہیں ہوتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بچے ناپسندیدہ آوازوں اور مناظر پر بے چینی ظاہر کرتے ہیں ۔ تین ماہ نظر ٹھہرنے میں لگتے ہیں مگر پہچاننے کا عمل نگاہ سے شروع نہیں ہوتا — محبت بھرا لمس اور خوش بو نگاہ کا کام کرتی ہے ۔ پرسکون ماحول میں بچوں کی کلکاریاں ان کی خوشی کو ظاہر کرتی ہیں۔

غور کیجئے ! بچہ سیکھتا نہیں، نقل کرتا ہے ۔ مثلاً مادری زبان — ماں باپ بچہ کی صلاحیت کے مطابق الفاظ کہتے ہیں جو ذہن میں نقش ہو جاتے ہیں ۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ماں باپ وہ الفاظ نہیں دہراتے جو بچپن میں استعمال کرتے تھے بلکہ اب ماحول میں رائج الفاظ زبان پر ہوتے ہیں۔ جیسے ابتدائی عمر میں بچہ پانی کو مم کہتا ہے کیوں کہ ماں مم کہتی ہے۔ وہی بچہ چھ سال کا ہوتا ہے تو پانی کہتا ہے اس لئے کہ اب ماں مم نہیں پانی کہہ رہی ہے۔ اسی طرح مختلف تقاضے مثلاً بھوک، پیاس، محبت، غصہ کا اظہار بتدریج ہوتا ہے۔

بچہ کے ذہن کی بنیاد عین فطرت ہے۔ اللہ نے اسے ذہین، بے حد خوب صورت، متوازن اور کائنات سے ہم آہنگ بنایا ہے۔ فطرت میں سکون اور یک سوئی ہے، آزادی اور خوشی ہے، عجز اور محبت ہے — سادگی ہے۔ بچہ کا ذہن سادہ اور شفاف آئینہ ہے۔ ماحول میں طرز فکر فطری اصولوں کے برعکس ہو تو معصومیت اور ذہنی وسعت بچہ سے دور ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس وہ ماحول جہاں دن رات اللہ رسول کا ذکر ہوتا ہے، وہاں بچہ کی معصومیت برقرار رہتی ہے اور تفکر کی صلاحیت کو جلا ملتی ہے۔ کیوں کہ بچہ کو وہ غذا دی جارہی ہے جس سے وہ باطن میں موجود وسعت سے واقف ہوتا ہے۔

بچوں کا ذہن ماحول میں موجود ہر شے اور فرد کا اثر قبول کرتا ہے۔ اردگرد افراد میں محبت اور خدمت

کے جذبات، خوشی اور لطافت کی لہریں ہوں تو بچہ اسفنج (sponge) کی طرح ان لہروں کو جذب کر لیتا ہے۔ چھ سال کی عمر تک ذہنی یک سوئی عروج پر ہوتی ہے۔

بچہ کے رہن سہن پر غور کریں، وہ محدودیت کو پسند نہیں کرتا۔ باغ میں کھیلنا اس کو اچھا لگتا ہے۔ مظاہر قدرت اسے اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں، کھلا آسمان، ہوا، سمندر، دریا کی کشش مسرور کر دیتی ہے۔ درختوں، پھولوں اور پرندوں کی دنیا میں وہ گم ہو جاتا ہے۔ فطرت کی تصاویر اندر موجود ریکارڈ کو متحرک کرتی ہیں۔ وہ چیزوں کو ہاتھ لگا کر تجربہ کرتا ہے۔ یہ بچہ کے اندر جاننے کی خواہش اور تجسس کے علم کا مظاہرہ ہے کہ اس کا ذہن صرف کسی چیز کے ظاہر کو دیکھ لینے سے مطمئن نہیں ہوتا، وہ علم کے ذوق کی تسکین چاہتا ہے۔ بعض بچوں کو دیکھتے ہیں تو ان کے اندر محقق یا آرٹسٹ چھپا نظر آتا ہے۔ مٹی سے کھیلتے ہوئے کسی بچہ کا مشاہدہ کیجئے وہ اپنے آپ سے بے خبر اندر کی دنیا میں مگن ہو جاتا ہے۔ جاننے کی صلاحیت بچوں کے اندر موجود ہے اور انہیں واقف ہونے کا طریقہ بھی آتا ہے۔

ہم جو کچھ کہتے ہیں، سوچتے یا سمجھتے ہیں ذہن کی اسکرین پر لہروں کی صورت میں مظاہرہ ہوتا ہے۔ لہروں میں مفہوم اور تصورات ہیں۔ مشق سے صلاحیت اور سکت کا ادراک ہوتا ہے۔

قابل توجہ امر یہ ہے کہ شعور کی نشوونما کے مراحل میں بیرونی ماحول کے ساتھ اندر (inner) کے اثرات شامل ہیں۔ اندرونی اثرات بیرونی ماحول بناتے ہیں۔ ہر فرد کو ذہن میں محفوظ ریکارڈ سے انسپائریشن ملتی ہے۔ انسپائریشن میں تبدیلی بھی وہ اندر کرتا ہے — باہر صرف مظاہرہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بچہ جس قدر فطرت سے قریب ہوتا ہے لاشعور کی روشنی اس کی صلاحیت اور کردار بن جاتی ہے۔

بچے رنگین کھلونوں اور اشیا میں دل چسپی لیتے ہیں۔ بظاہر ناممکن چیزوں کو ممکن بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کھانے پینے کی اشیا کو ملا کر ان کے آمیزہ کا مشاہدہ کرتے ہیں اور بہت خوش ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ والدین، احباب اور اساتذہ کے انداز اور جملوں کی نقل کرتے ہیں اور اپنی گفتگو میں شامل کرتے ہیں۔ ان تمام سرگرمیوں کے پس پردہ تجسس ہے۔

ابتدائی عمر میں بچے چیزوں کو بے ترتیب کرنے، توڑنے اور بگاڑنے میں کشش محسوس کرتے ہیں جس کا ایک مقصد معلومات میں اضافہ ہے — باقی مقاصد کیا ہیں، یہ بچے بتا سکتے ہیں یا پھر والدین کیوں کہ وہ بھی بچے تھے۔ یہ والدین کی ذمہ داری ہے کہ بچوں کو مصروف رکھنے کے لئے تعمیری پہلو تلاش کریں اور انہیں ایسی اشیا مہیا کریں جو ان کے ذوق میں اضافہ کریں۔

اسکول جانے کی عمر سے ترتیب اور تنظیم کی عادت

میں اضافہ ہوتا ہے۔ چیزوں کو حاصل کرنے اور انہیں جاننے سے پہچاننے کے تقاضے کی نشوونما ہوتی ہے، میل جول کے رجحان میں بہتری آتی ہے۔ بچے اسکول میں دوست بنانا اور گروپ میں رہنا پسند کرتے ہیں اس طرح نئے تجربات کے امکانات روشن ہوتے ہیں۔ وہ تعاون کرنا سیکھتے ہیں، اپنی بات سمجھانے اور دوسروں کی پسند ناپسند جاننے کا موقع ملتا ہے۔

بچوں کا پُر اعتماد ہونا ضروری ہے۔ ان کو سب کے سامنے مت ڈانٹیں، اچھی باتوں پر تعریف کریں، سوالوں کے جواب دیں، ان کے ساتھ وقت گزاریں، کہانیاں سنائیں، جواب میں بچے کچھ بتائیں تو بچوں کی تعریف کریں۔ گھر میں اعتماد ملنے سے بچہ باہر کے ماحول سے متاثر نہیں ہوتا۔ بصورت دیگر گھر سے باہر کا ماحول والدین کی تربیت کو متاثر کرسکتا ہے۔ اس کا حل بچوں سے مسلسل بات چیت کرنا ہے۔

امام سلسلہ عظیمیہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں،

''بچے اللہ میاں کے باغ کے پھول ہیں''

پھول مختلف رنگ اور خوش بو رکھتے ہیں۔ ان کی آبیاری کے لئے ماحول اور تقاضے یکساں نہیں ہوتے۔ خوش رنگ پھولوں کی طرح بچے بھی شوخ و چنچل، جوشیلے، خوش مزاج اور باتونی ہوتے ہیں۔ ہلکے گلابی اور سفید پھولوں کی طرح حساس ہوتے ہیں۔

پھول ہوں یا بچے — توجہ، دیکھ بھال، محبت، وقت کا ایثار — ان کی ضروریات ہیں۔ ذہانت سب میں ہے، شوق مختلف ہیں جس کے مطابق ذہانت کا اظہار ہوتا ہے۔ ایسے میں اپنی توقعات کے مطابق تربیت کی کوشش کرنا ایسا ہے جیسے نیلے پھول کو سرخ رنگ کے چشمہ سے دیکھا جائے۔

مثال کے طور پر غیر معمولی ذہین بچوں سے زیادہ توقعات وابستہ نہ کریں ورنہ وہ دباؤ کے زیر اثر آسکتے ہیں۔ جوشیلے بچوں کو کام کی آزادی اور چھوٹے چھوٹے ہدف دیں۔ ضدی بچوں کو براہ راست ہدایت نہ دیں بلکہ دوستانہ انداز میں وجہ بتا کر قائل کریں تاکہ وہ از خود درست بات کی طرف مائل ہو جائیں اور صحیح اور غلط میں امتیاز کرنا سیکھیں۔

خیال رکھیں کہ حساس بچے زبان، الفاظ اور رویہ سے بے حد متاثر ہوتے ہیں اور یاد رکھتے ہیں۔ شفقت اور محبت وہ رویہ ہے کہ بچہ کم گو ہو یا باتونی، آپ شوق کے مطابق ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھا سکتے ہیں۔ اس طریقہ سے آپ جانیں گے کہ ہر بچہ ذہین ہوتا ہے — بات یہ ہے کہ اس کے ذہن کی کس طرح آبیاری کی جائے۔

بعض اوقات بچوں کے درمیان تقابل سے وہ احساس کم تری میں چلے جاتے ہیں۔ ایک بچہ پڑھنے لکھنے میں تیز ہے، ضروری نہیں ہے کہ دوسرا بھی اس کے مطابق ہو۔ البتہ یہ کوشش ضرور کی جانی چاہئے کہ پڑھائی میں اس کی دل چسپی برقرار رہے۔ وہ ضرور کسی

اورمیدان میں پہلے بچہ کے مقابلہ میں ہوشیار ہوگا۔

ماں باپ چاہتے ہیں کہ ہمارا بچہ اول درجہ پر آئے۔ عملی میدان میں دیکھا گیا ہے کہ عموماً جو بچے ہر کلاس میں اوسط نمبر لاتے ہیں، وہ عملی میدان میں بہت کام یاب ہوتے ہیں کیوں کہ ان کا ذہن پڑھائی کے ساتھ دیگر سرگرمیوں کی طرف بھی ہوتا ہے جس سے خلیات چارج ہوتے ہیں۔اول نمبر پر آنا ضروری نہیں—یہ دیکھنا ضروری ہے کہ بچہ نے سیکھا کیا ہے۔

ہم اپنے بچوں میں مستقبل کے ''ذہین نوجوان'' کو دیکھتے ہیں۔نصابی وہم نصابی سرگرمیوں میں بہترین نتائج کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے جب کہ کرداری اوصاف کی طرف توجہ بہت کم ہے۔یہ بالکل اس طرح ہے کہ گلاب کے باغات لگادیئے جائیں لیکن وہ خوش بو سے محروم ہوں۔

ذہانت کے ٹیسٹ سوچ سے متعلق بہت کم معلومات دیتے ہیں کیوں کہ ذہنی صلاحیت کو کسی ایک پہلو سے نہیں ناپا جا سکتا۔تحقیق اور مشاہدہ ہے کہ آئی کیو (Intelligence Quotient) لیول کام یابی کی ضمانت نہیں ہے۔یونیورسٹی کے گولڈ میڈلسٹ عملی زندگی میں ناکام بھی ہوسکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔

جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ کیا ہمارے ماحول میں حکمت وبصیرت کی باتیں ہیں؟ جذبات اور احساسات کی اہمیت ہے؟ ہمارے اندر اور باہر ہم آہنگی ہے؟ انٹرنیٹ کا استعمال اعتدال میں ہے یا نہیں—؟

بچوں میں تخلیقی صلاحیت بیدار کرنے کے لئے مختلف انداز سے سوچنا سکھائیں۔ذہنی صحت کے لئے اچھے خیالات فراہم کریں، ان کے ساتھ وقت گزاریں، ذہن کے مطابق سوالات کے جواب دیں اس طرح کہ بنیادی تصور ان کے ذہن پر نقش ہو جائے۔بچوں میں تفکر کی صلاحیت ابھارنے کے لئے سوالات پوچھنے پر انہیں مطمئن کریں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

''وہ لوگوں کو مثالوں سے بات سمجھاتا ہے اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔'' (النور:۳۵)

مثالوں سے بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ بچوں کی کتابوں سے دوستی کروائیں اور اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ خود کتابیں پڑھیں۔اچھی کہانیاں اور اچھا ادب پڑھنے والے بچے دیگر بچوں سے منفرد ہوتے ہیں۔ان کا تصور وسیع ہوتا ہے، زبان درست ہوتی ہے، لہجہ میں شائستگی آتی ہے، خیالات میں ترتیب پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنی بات کو احسن طریقہ سے بیان کرنا سیکھتے ہیں۔

مضمون کے ابتدائی حصہ کی طرف آتے ہیں۔

ہر فرد چاہے اس کا تعلق کسی بھی نوع سے ہو، جب پیدا ہوتا ہے تو گوشت پوست کی شکل میں دنیا میں آتا ہے۔عالم ناسوت میں زندگی بسر کرنے کے لئے روح مٹی کے نرم و نازک وجود کو میڈیم بناتی ہے۔میڈیم

سے سب محبت کرتے ہیں اور اندر موجود اصل کی طرف ذہن نہیں جاتا۔ جس بچہ سے آپ کو بہت پیار ہے وہ دراصل روح کا ایک مظاہرہ ہے۔ ایسا مظاہرہ جو آپ کے اندر موجود ہے۔

بچہ کا باطن روشن اور پرسکون ہے، وہ سوتے وقت بھی مسکراتا ہے اور قہقہہ بھی لگاتا ہے۔ محبت کی لہروں کے معنی سمجھتا ہے۔ جس بچہ کو بھرپور محبت ملتی ہے وہ جواباً محبت کرتا ہے، آخر کار اعتماد اور یقین کے ساتھ حقیقی محبت تلاش کرتا ہے۔

ایثار پسند والدین کی طرز فکر ہے کہ ہر چیز اللہ کی دی ہوئی ہے یہ سوچ بچوں میں منتقل ہوتی ہے تو بچہ روشن ذہن اور اعلیٰ کردار کا حامل ہوتا ہے۔

دنیا میں آنے کا مقصد خالق کائنات سے واقف ہونا ہے جس کے لئے اندر موجود روح کا وقوف ضروری ہے۔ جسم کا خیال ضرور رکھیں کہ وہ روح کا لباس ہے لیکن لباس میں مخفی وجود کو نظر انداز مت کریں۔ اللہ سے محبت کریں، اس کا شکر ادا کریں اور ادھر ادھر کی باتیں سوچنے کے بجائے اس کی نشانیوں میں تفکر کریں۔ بچوں کے اندر یہ سوچ از خود منتقل ہو جائے گی۔

قارئین! ایک صورت حال پیش نظر ہے۔ چار سالہ بچی، اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتی ہے۔ بچی کے علم میں یہ بات آتی ہے کہ فرشتے اللہ کے بہت قریب رہتے ہیں۔ بچی نے حل یہ نکالا ہے کہ فرشتوں کو پیغام دیا جائے کہ وہ ہمیں بتائیں اللہ تعالیٰ کیسے ہیں۔

> بچوں کی کتابوں سے دوستی کروائیں اور اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ خود کتابیں پڑھیں۔ اچھی کہانیاں اور اچھا ادب پڑھنے والے بچے دیگر بچوں سے منفرد ہوتے ہیں۔ ان کا تصور وسیع ہوتا ہے، زبان درست ہوتی ہے، لہجہ میں شائستگی آتی ہے، خیالات میں ترتیب پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنی بات کو احسن طریقہ سے بیان کرنا سیکھتے ہیں۔

ماں باپ، اساتذہ اور ماحول میں دیگر لوگوں سے سوال ہے کہ جب بچے اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتے ہیں، روز ازل اللہ تعالیٰ کو دیکھ چکے ہیں، دنیا میں اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ اپنے خالق و مالک سے واقف ہوں تو پھر وہ اللہ کو کیوں نہیں دیکھ سکتے ــــ؟

جب بچی کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ مجھے اللہ سے ملنا ہے، اللہ کو دیکھنا ہے تو کیا خیال کا مظاہرہ موجود نہیں ــــ؟ ہر خیال جس پر توجہ دی جائے، مظہر بن جاتا ہے۔ یہ خیال اس کے ذہن میں کہاں سے آیا کہ مجھے اللہ سے ملنا ہے ــــ؟ اور یہ بات اس کے ذہن میں کس نے ڈالی کہ ہم اللہ کو نہیں دیکھ سکتے ــــ؟ فرشتے اللہ کی مخلوق ہیں، جب وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتے ہیں تو کیا انسان جو اشرف المخلوقات ہے، وہ اللہ کو نہیں دیکھ سکتا ــــ؟

ہر انسان جانتا ہے کہ اس نے ''الست بربکم'' کے جواب میں قالوا بلیٰ کہا ہے۔

حماد علی شاہ

اونچ نیچ کا پہاڑ
سچے موتیوں کا ہار

ایک بار سفر میں کسی مقام پر گاڑی رکی، ہم اترے، قریب پانی کا چشمہ تھا۔ مقامی افراد نے بتایا کہ اس چشمہ کا پانی پینے سے پہلے کوئی دعا مانگی جائے تو وہ قبول ہوتی ہے۔

وقت اور ماضی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ آدمی کو فرصت کا کوئی لمحہ میسر آجائے تو وہ فوراً ماضی میں چلا جاتا ہے یا پھر یہ وقت ہے جو ماضی میں لے جاتا ہے۔

وقت کیا ہے ــــ؟ تجربات و محسوسات بتاتے ہیں کہ وقت ایک ریکارڈ ہے، ریکارڈ میں تاریں ہیں اور یہ تاریں ہم سے منسلک ہیں۔ جب کوئی ڈور کھنچتی ہے تو ریکارڈ کا کوئی لمحہ بیدار ہوجاتا ہے ایسے جیسے اس نے ہمیں نیند سے جگادیا ہو۔ یقیناً یہ غفلت کی نیند سے بیداری ہے جو بار بار متوجہ کرتی ہے کہ ہم سوچیں ماضی میں داخل ہونا کیا ہے اور ماضی کہاں ہے۔

ماضی میں داخل ہونے سے حال کے مناظر مدھم نظر آتے ہیں، ماحول میں موجود چیزوں کا احساس نہیں ہوتا اور مناظر کچھ وقت کے بعد ماضی بن جاتے ہیں۔ جو کچھ ہم دیکھتے یا کرتے ہیں، وہ اس طرح سے ریکارڈ ہورہا ہے کہ اس میں ادھورا پن ہے کیوں کہ ماحول میں موجود بہت سی چیزیں نظر انداز کردی گئی ہیں اور جو فرد کے ذہن میں ریکارڈ ہورہا ہے وہ احساسات ہیں۔

ایک وہ ریکارڈ ہے جس کے تحت زندگی قائم ہے۔

اور ایک ریکارڈ وہ ہے جو زندگی کی بیلٹ سے گزرتے ہوئے محسوسات کی صورت میں ریکارڈ ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ذہنی فرصت میں خیال ماضی کی طرف کیوں جاتا ہے ــــ؟ اگر مستقبل کا بھی خیال آئے تو وہ بھی ماضی کے تناظر میں ہوتا ہے۔ ایسا کیوں ہے ــــ؟

زندگی واقعات کا مجموعہ ہے۔ دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں داخل ہوتے ہیں تو حالات کے مطابق ذہن کی مخصوص ترتیب بنتی ہے اور رہنے کے طور طریقے بدل جاتے ہیں۔ البتہ آدمی جن مراحل سے گزر کر آیا ہے وہ موجودہ شخصیت کی بنیاد بن جاتے ہیں۔ بظاہر دور گزر گیا ہے لیکن اپنے نتائج اور ان نتائج سے جو کچھ سیکھا گیا ہے، اس کی صورت میں فرد کے ساتھ موجود ہے۔

بعض چہروں پر نرمی، بعض ہشاش بشاش، بعض چہروں پر تلخی، بعض پر کرختگی اور ایسے چہرے بھی ہیں جن

کو دیکھ کر کوئی تاثر قائم نہیں ہوتا۔ یہ سب جن حالات سے گزرے ہیں، اس کی نشانی ہیں۔ ان کو دیکھ کر لگتا ہے کہ ہر فرد اپنے حالات و واقعات ساتھ لئے پھرتا ہے۔ ہم بھی اپنے حالات کی تصویر ہیں۔ یا تو احساس محرومی میں رہتے ہیں یا پھر سرشار ہوتے ہیں یا بے بسی سے حالات سے نباہ کرتے ہیں۔

نتائج کبھی شیریں اور کبھی تلخ ہوتے ہیں۔ ہر راحت کے بعد غم اور ہر غم کے بعد راحت ہے۔ مگر دیکھا گیا ہے کہ فرد بعض اوقات ایک تلخ واقعہ کے اثرات کو پوری زندگی پر محیط کر لیتا ہے۔

مثلاً ذہنی و قلبی لگاؤ کی وجہ سے جب ناگوار صورت حال پیش آتی ہے تو آدمی کے لئے زندگی رنگوں کے باوجود بے رنگ ہو جاتی ہے۔ زندگی کا ایک دور آگے بڑھ جاتا ہے مگر وہ اس تسلط سے نہیں نکلتا۔

وقت کے ساتھ جذبات میں ٹھہراؤ آجاتا ہے لیکن جب یادیں تازہ ہوتی ہیں تو یہ ایسا ہے جیسے کوئی سلا ہوا زخم ادھیڑ رہا ہو۔ ان جملوں کو اس کیفیت سے گزرنے والا فرد ہی محسوس کر سکتا ہے اور ایسے لوگوں کی تعداد ایک نہیں، ہزاروں میں ہے۔

اختر انصاری کی شاعری نظر سے گزری۔ ان کے جذبات میں طنز اور شدت ہے۔ جب انہوں نے زندگی کی تلخی کو اشعار کی ترتیب میں پرویا تو جو الفاظ ورق پر نقش ہوئے وہ زبان زد عام ہو گئے۔

سینہ خوں سے بھرا ہوا میرا
اف یہ بدمست مے کدہ میرا
نارسائی پہ ناز ہے جس کو
ہائے وہ شوق نارسا میرا
عشق کو منہ دکھاؤں گا کیوں کر
ہجر میں رنگ اڑ گیا میرا
دل غم دیدہ پر خدا کی مار
سینہ آہوں سے چھل گیا میرا
یاد کے تند و تیز جھونکے سے
آج ہر داغ جل اٹھا میرا
یاد ماضی عذاب ہے یارب!
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

کچھ لوگوں کے لئے یادیں انمول ہوتی ہیں۔ ان کی کوئی قیمت نہیں۔ یہ خوشی سے سرشار کرتی ہیں اور خلا کو وقتی طور پر پُر کر دیتی ہیں۔ ان لمحات کی یاد دریچوں میں روشن دیے کی طرح جلتی رہتی ہے اور ماحول کو رومانوی بنا کر رعنائی بخشتی ہے۔

فرد خوش ہو یا غم زدہ — ماضی سے رشتہ نہیں ٹوٹتا۔ وہ حال کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاتا ہے لیکن ماضی سے منسلک کوئی شے سامنے آئے تو فوراً ماضی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی یاد کی تاروں سے جڑا ہوا ہے۔

یادوں کا تعلق گزرے ہوئے زمانہ سے ہے، مستقبل کی امیدیں ہوتی ہیں یا پھر اندیشے۔ پیش آئے

واقعات کو دہرانا یاد ہے۔ یاد کی بنیاد اس وقت پڑی جب اللہ نے مخلوق کو سماعت و بصارت عطا کی۔

''انسان پر لامتناہی زمانہ کا ایک وقت ایسا گزرا ہے جب وہ نا قابل تذکرہ تھا۔ ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفہ سے پیدا کیا تا کہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض سے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔'' (الدھر:۱۔۲)

نا قابل تذکرہ کے معنی ہیں کہ وہ شے جس کا ذکر نہ ہو یا جسے دہرایا نہ جائے۔ پھر وہ ایسی شے بن جاتا ہے کہ اسے بار بار دہرایا جاتا ہے — اب وہ قابل تذکرہ ہے۔ مخلوط نطفہ سے فرد کی پیدائش ہے — فرد دو یا دو سے زائد رخوں سے بنا ہے۔ یہ رخ نمایاں پنہاں — غالب مغلوب ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی مرد بنتا ہے، کبھی عورت بنتی ہے اور کبھی عورت اور مرد اپنے اصل رخ سے واقف ہو جاتے ہیں۔

ہم بات کر رہے تھے یادوں کی — ماضی کی یادوں کی۔ ماضی کی تاریں قلب میں جا بجا پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کے تانے بانے سے چادر بنتی ہے اور ہم اس چادر کو اوڑھ کر زندگی گزارتے ہیں۔

یادیں تصورات کی دنیا میں بچھڑے ہوئے لوگوں کو ملاتی ہیں۔ ماں باپ کی آغوش میں گزرا زمانہ، بہن بھائیوں کے ساتھ کھیل کود اور ہنسی مذاق، اسکول و کالج میں دوستوں کے ساتھ شرارتیں، گلی میں بچوں کے ساتھ پکڑم پکڑائی، چھپن چھپائی، کھوکھو، برف پانی، مٹی سے گھر بنانا، کاغذ کی کشتیوں کا پانی میں تیرنا — سب بچپن کی یادیں ہیں۔

بچپن کے کھیل بھی مزے کے تھے۔ ان میں ادب کا پاس تھا۔ الفاظ شائستہ اور کھیل میں سبق۔ جیسے کہ

اونچ نیچ کا پہاڑ
سچے موتیوں کا ہار
مالی دیکھ رہا ہے
پہلے کون جیتے گا

اس کھیل میں بچوں کو زمین سے اونچائی پر کھڑا ہونا ہوتا۔ یہ اونچائی پتھر کی اینٹ بھی ہو سکتی تھی اور مٹی کا ٹیلا بھی۔ جب وہ زمین پر پیر رکھتا، پکڑ لیا جاتا۔

میں جب کبھی تنہا بیٹھتا ہوں مجھے وہ وقت یاد آجاتا ہے جو میں نے قدرتی مناظر کے قریب رہ کر گزارا۔ پہاڑ دریا، سبزہ زار — اور ان سب کے سامنے میرا گھر! یہ ایسی خواہش ہے جو پوری نہیں ہوئی۔ قدرتی مناظر کی طرف لگاؤ اتنا زیادہ ہے کہ جب خود سے واقف ہونے کی خواہش بڑھتی ہے تو جی چاہتا ہے کہ پہاڑوں کا رخ کروں، بہتے جھرنوں سے پانی پیوں اور کسی آبشار میں نہا کر اپنے اندر کی کثافت دھولوں۔

پہاڑ کے دامن میں کسی پتھر پر بیٹھ کر اردگرد پہاڑوں کی بلندی کا جائزہ لینا، بادلوں کی اوٹ میں پہاڑوں کا چھپنا، قریب موجود آبشار سے پانی گرنے کی آواز سماعتوں سے آج بھی اس طرح ٹکراتی ہے جیسے وقت

گزرا نہیں موجود ہے۔

ایک بار سفر میں کسی مقام پر گاڑی رکی، ہم اترے، قریب پانی کا چشمہ تھا۔ مقامی افراد نے بتایا کہ اس چشمہ کا پانی پینے سے پہلے کوئی دعا مانگی جائے تو وہ قبول ہوتی ہے۔ میں نے سوچا کہ بات عقیدہ کی ہے، دعا مانگنے میں حرج نہیں، لبوں پر مدعا آیا اس کے بعد خوب جی بھر کر پانی پیا — گھر واپس پہنچ کر معلوم ہوا کہ جو مانگا تھا وہ قدرت نے کسی اور کو دے دیا۔

ذہن نے اس بات کو قبول نہیں کیا لیکن وقت مرہم ہے، آہستہ آہستہ مسترد کئے جانے کا احساس مغلوب ہوگیا۔ اس ایک تجربہ کی وجہ سے جب کبھی چشموں کے پاس سے گزرتا ہوں تو خیال سالوں کی نفی کر کے مجھے گزرے ہوئے مقام پر لے آتا ہے۔ سوچتا ہوں کہ مخصوص یاد کی گرفت کیوں نہیں ٹوٹتی —؟ اور پھر شاعر کے الفاظ میں درد کا احساس ہوتا ہے جب اس نے کہا،

یاد ماضی عذاب ہے یارب!
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

حقیقت یہ ہے کہ جب ماضی بے ثبات شے سے وابستہ ہو تو عذاب بن جاتا ہے۔ ورنہ ایک ماضی وہ بھی ہے جب روز ازل ہم نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کر کے عہد کیا تھا کہ بے شک ! آپ ہمارے رب ہیں۔ وہ وقت کیوں یاد نہیں آتا —؟

گزرا ہوا ہر پل تجربات کا ریکارڈ ہے اور اصلاح پسند شخص کو غلطیوں سے سیکھنا اور اچھی باتوں کو دہرانا سکھاتا ہے۔

محقق کہتے ہیں کہ بری یادوں کی نسبت اچھی یادیں طویل عرصہ ساتھ رہتی ہیں۔ ماہرین نفسیات کے مطابق اچھی یادوں سے وابستہ رہنا اور ناخوش گوار یادوں سے دامن چھڑا لینا ہمیں ناموافق حالات میں جینے کا حوصلہ دیتا ہے۔

تلخ یادوں کا تعلق احساس محرومی سے ہے۔ جب تک محرومی کا احساس رہتا ہے، آدمی ہر واقعہ کو محرومی کے زاویہ سے دیکھتا ہے اور ساری محرومیاں مل کر اس مقام پر پہنچا دیتی ہیں جب ہم نے پہلی بار اس احساس کو محسوس کیا۔ اچھی یادوں کو سب ساتھ رکھنا چاہتے ہیں اور تلخ یادوں کو مجبوراً ساتھ رکھتے ہیں۔

حالات اچھے ہوں یا برے — گزر جاتے ہیں اور یہ زندگی کا سب سے بڑا سبق ہے جس سے جینے کا حوصلہ، ہمت اور سکت بڑھتی ہے۔ زندگی گزارنے کا سادہ اصول نتائج کو قبول کرنا ہے۔ اگرچہ یہ مشکل ہے لیکن کام وہ کرنا چاہئے جو مشکل ہو۔

خیالات میں بھی ان لوگوں کو جگہ دیں جو آپ کی قدر اور آپ کا احترام کرتے ہیں۔ جن سے اچھی یادیں وابستہ ہوں۔ اس سے محرومی کا بوجھ اترتا ہے ورنہ زندگی کے سفر میں غیر ضروری بوجھ لے کر چلنے سے سفر طے نہیں ہوتا — رک جاتا ہے۔

عثمان طاہر

روشنی کے مراتب ــــ؟

''اللہ تعالیٰ مذکورہ بات کہہ کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ روشنیوں کے مراکز کا فنا ہو جانا اور ختم ہو جانا معمولی بات نہیں۔ جب تک یہ موجود ہیں نوع انسانی کو ان سے فائدہ اٹھانے کے مواقع حاصل ہیں۔ جب نہ ہوں گے تو نوع انسانی فلاح پانے کی لاکھ کوشش کرے، کام یاب نہیں ہو سکے گی۔''

پہلے دن کے چاند اور چودھویں کے چاند میں بظاہر بہت فرق ہے لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جب پہلے دن کا چاند آسمان پر ہوتا ہے تو باقی تیرہ دن اس سے متصل نہیں ہوتے۔ چاند مکمل طور پر آسمان پر موجود ہے لیکن بادلوں کی اوٹ میں چھپ جاتا ہے۔ کوئی شے چھپ جانے سے غیر موجود نہیں ہوتی۔ گھٹنا اور بڑھنا ــــ فرد کا شے کو دیکھنا اور نہ دیکھنا ہے۔

یہی حال سورج کا ہے۔ سورج بیک وقت مشرق اور مغرب میں موجود ہے لیکن کبھی چاند میں ضوفشانی غالب آجاتی ہے اور کبھی سورج پر منعکس ہونے والی شعاعیں۔ غالب اور مغلوب کے اس عمل کی مناسبت سے دن اور رات کا تعین ہوتا ہے۔ مگر یہ اہم بات ہے کہ کسی خطہ میں دن ہوتا ہے تو کسی خطہ میں رات ہوتی ہے ــــ دن اور رات بیک وقت موجود ہیں۔

ہر شے ابتدا سے انتہا کی طرف محوِ سفر ہے۔ وہ جس مقام سے سفر شروع کرتی ہے بالآخر اسی مقام پر پہنچ کر سفر ختم ہو جاتا ہے۔ سفر میں ہر لمحہ ردّوبدل ہے۔ ردّوبدل حالت کی منتقلی ہے جب کہ شے کی اصل تبدیل نہیں ہوتی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے جس وجود کے لئے جسم تخلیق کیا ہے، وہ تبدیل نہیں ہوتا لیکن ظاہری حالت مستقل تغیر پذیر ہے۔ بچہ جوان ہو کر بوڑھا ہو جاتا ہے ــــ اصل قائم رہتی ہے۔ کیوں کہ یہ وہی وجود ہے جس کا لباس بچپن سے بڑھاپے میں تبدیل ہوا۔

کائنات میں ہر شے تغیر پذیر ہے۔ تغیر کا مطلب گھٹنا، بڑھنا اور بڑھ کر گھٹ جانا ہے۔ گھٹنے بڑھنے کا تعلق جسم سے ہے جس کی حیثیت لباس کی ہے۔ لباس کے اندر وجود میں تبدیلی نہیں ہے۔

ثبوت یہ ہے کہ بچپن سے لڑکپن یا لڑکپن سے جوانی میں داخل ہونے والے فرد کو لاشعوری طور پر علم ہوتا ہے کہ میں باطنی طور پر وہی ہوں جو جوانی میں داخل ہونے سے پہلے تھا ــــ صرف لباس تبدیل ہوا ہے۔

اگر چاند سورج کے چھپنے اور ظاہر ہونے کا عمل نہ ہو تو نظام میں تسلسل رک جائے گا لیکن یہ بات غور کرنے کی ہے کہ دونوں کی بالترتیب غیر موجودگی میں بھی روشنی موجود رہتی ہے۔اس کی مثال مخلوقات کے دن اور رات کا فرق ہے۔ بہت سی تخلیقات رات میں جاگتی ہیں اور دن میں سوتی ہیں۔ ہماری رات ان کا دن ہے اور ان کا دن ہماری رات ہے۔یعنی روشنی تبدیل نہیں ہورہی،لباس فنا و بقا سے گزر رہا ہے۔

تحقیق و تلاش کا حامل ذہن یہاں پر سوچے گا کہ دن اور رات کا لباس کس نے پہنا ہے ــــ؟

تغیر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو شے تبدیل ہوگئی اس کی اہمیت نہیں، اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ جب ایک مرحلہ بخیریت اختتام پذیر ہوتا ہے تو وہیں سے دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ بچہ کی صحت کا انحصار ماں کی صحت پر ہے۔اگر ماں حمل کے دوران پریشان رہی ہے یا خوراک اچھی نہیں ملی جس سے خون کی کمی ہوجائے تو اثر مستقبل پر پڑتا ہے یعنی بچہ کی ساخت متاثر ہوسکتی ہے۔ایک مرحلہ احسن طریقہ سے مکمل ہونے سے دوسرے مرحلہ کا آغاز صحت مند ہوتا ہے اس لئے جسم کی حفاظت کرنی چاہئے اور جسم کے لئے ذہن کی حفاظت ضروری ہے۔

ذہن کا تعلق سوچ سے ہے،سوچ کا محاسبہ کیا جائے، محاسبہ بھی حفاظت ہے کہ بندہ خود کو خطرات سے بچاتا ہے۔سوچ کا تعلق خیال سے ہے۔ خیال کی حقیقت سے واقف ہونا، خیال کی حفاظت ہے کہ اس میں اغراض شامل نہ ہوں۔لباس میں تغیر کے نظام سے زندگی آگے بڑھتی ہے۔اگر ہر مرحلہ پر محتاط رویہ اختیار کیا جائے تو آنے والا وقت سکون کی نوید ہوتا ہے۔

تغیر کو مراتب کہا جاسکتا ہے۔مرتبہ کے معنی درجہ کے ہیں۔ شے پیدا ہوکر مختلف مراتب و درجات سے گزرتی ہے، ہر مرتبہ گزرنے والے اور آنے والے درجہ سے منسلک ہے۔ چاند ــــ چودھویں کے چاند میں ڈھل کر دوبارہ پہلے درجہ پر آتا ہے کیوں کہ دوری کے باوجود اصل سے تعلق قائم رہتا ہے۔

مراتب یا تغیر کا ذکر اس وقت زیر بحث آتا ہے جب شے دو رخوں میں ہو اور ان دو رخوں کا بھی ایک دوسرا رخ ہو، ورنہ حالت کی منتقلی زیر بحث نہیں آئے گی ۔ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونا مخلوق کی صفت ہے ــــ اللہ بے نیاز ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''کہہ دیجئے کہ اللہ 'احد' ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا، اس کا کوئی خاندان نہیں۔''

(الاخلاص: ۱۔۴)

''احد'' وہ صفت ہے جو بیان کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کثرت سے ماورا ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں، وہ بے نیاز ہے۔اسے کسی بھی طرح بیان نہیں کیا جاسکتا۔

وہ ہر جگہ موجود ہے یعنی تغیر سے ماورا ہے۔

اس کے برعکس مخلوق کے خلیات ہر لحہ غائب ہو کر ظاہر ہوتے ہیں اور پھر غائب ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے شکل تبدیل ہو جاتی ہے۔

دن رات، عمر کے ادوار، سماجی و مالی حیثیت، علم و فن، شکل وصورت میں تنوع، موسم میں ردّ و بدل، عقل و دانائی میں کمی بیشی، بیداری اور نیند، شعور اور لاشعور، خیال کے مدارج، سات آسمان اور ان کی مانند زمینیں، کہکشانی نظام اور عالمین — سب مراتب ہیں۔ مراتب کا تعین خالق کائنات کے قوانین کے تحت ہے اور یہ مراتب ہر مخلوق میں موجود ہیں۔

تغیر دراصل شے میں تبدیلی نہیں ہے بلکہ تغیر حالت کی منتقلی ہے اس طرح کہ پہلی حالت غیب میں چلی جاتی ہے اور دوسری ظاہر ہوتی ہے۔

''تم اللہ کے طریقہ میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور تم کبھی نہ دیکھو گے کہ اللہ کی سنت کو اس کے مقررہ راستہ سے کوئی طاقت پھیر سکتی ہے۔'' (فاطر:۴۳)

تغیر ارتقا کا سبب ہے۔ دنیا میں جو بھی تغیر برپا ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کے تحت ہوتا ہے۔

تغیر ہمیں تین نکات کی طرف متوجہ کرتا ہے:

۱۔ تغیر کیا ہے اور کس طرح ہوتا ہے؟

۲۔ تغیر کے ہر درجہ یا مرتبہ کی حفاظت کیا ہے؟

۳۔ تغیر میں کیا کوئی امر ایسا ہے جس میں تغیر نہیں؟

انبیاء علیہم السلام کا شمار خواص میں ہے۔ تمام الہامی مذاہب الہامی تعلیمات پر عمل کرنے کی تاکید کرتے ہیں اور انبیائے کرام کا احترام سکھاتے ہیں۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ سے قربت کے مدارج و مراتب بیان کئے گئے ہیں۔ سمجھنے کے لئے ایک مثال یہ ہے۔

''الف۔ لام۔ میم، یہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔'' (البقرۃ: ۱۔۴)

۱۔ حفظِ مراتب کا پہلا درجہ الف لام میم ہے جس سے صرف اللہ اور اللہ کے مقرب بارگاہ بندے واقف ہیں۔

۲۔ حفظ مراتب کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ دل شکوک اور وساوس (وسوسہ کی جمع) سے پاک ہو تاکہ ہم یقین میں داخل ہوں اور ان حقائق کا مشاہدہ کریں جن کو دیکھنے سے مادی نظر قاصر ہے۔

۳۔ اس کے بعد بندہ کو خالق کا دیدار عطا ہوتا ہے، وہ جان لیتا ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے اور میں اللہ کے دیئے ہوئے وسائل میں سے خرچ کرتا ہوں۔

۴۔ قرآن کریم اور دیگر الہامی کتابوں پر ایمان بھی حفظ مراتب میں شامل ہے۔ ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں میں جو پیغام دیا ہے اس سے مشاہدہ کی سطح پر واقف

ہو کر ''احسن تقویم'' کے عہدہ پر فائز ہونا اور اس بات کا یقین رکھنا کہ ہمیں اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

۵۔ جو لوگ حفظِ مراتب کا خیال رکھتے ہیں ان کے لئے کامیابی ہے۔

قرآن کریم کی ہر آیت میں حفظ مراتب کی تلقین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لئے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتہ داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، صلوٰۃ قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔'' (البقرۃ: ۱۷۷)

اللہ سے تعلق کی پاسداری یہ نہیں ہے کہ آدمی رسمی طور پر گردن مشرق اور مغرب کی طرف پھیرے، جسمانی وظائف کی حیثیت ثانوی ہے، باطنی ربط کو اہمیت حاصل ہے۔ قربت اس وقت حاصل ہوتی ہے کہ جب اللہ پر، یوم آخر، ملائکہ، الہامی کتابوں اور انبیائے کرام پر بندہ کا یقین ہو یعنی معرفت حاصل ہو جائے۔ اس کے بعد وہ اللہ کی محبت میں ہر وہ شے جس سے اس کو محبت ہے، ثانوی حیثیت دے۔ رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلین پر خرچ کرے، غلاموں کو رہا کرنے پر خرچ کرے، ربط قائم کرے اللہ سے اور اپنے مال کو پاک صاف کرنے کے لئے زکوٰۃ دے۔

قربت کا ایک مرتبہ یہ ہے کہ عہد کو وفا کرے، تنگی و مصیبت کے وقت میں صبر کرے۔ یہی لوگ روح کا عرفان حاصل کرنے والے ہیں۔

مندرجہ بالا دونوں آیات مراتب کی اہمیت و حفاظت کو بیان کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کے مراتب قائم کئے ہیں، ان کا احترام بندوں پر لازم ہے۔

ہر مذہب میں حقوق العباد اور مذہبی و معاشرتی قوانین کے احترام کی تعلیم دی گئی ہے تاکہ معاشرہ میں حفظ مراتب کا خیال رہے۔

اللہ تعالیٰ نے بچہ کی تخلیق کا ذریعہ والدین کو بنایا ہے اور والدین کے احترام کی خاص تاکید فرمائی ہے۔ گہرائی میں سوچنے سے واضح ہوتا ہے کہ وسائل کے ساتھ ذرائع کی اہمیت کو تسلیم کیا جائے۔ وسائل اللہ کے حکم کے تحت ہمارے لئے ایثار کرتے ہیں۔ ناشکری کے مرتکب لوگ وسائل کی ناقدری کرتے ہیں، ان کے مراتب میں کمی آجاتی ہے اور جو شکر ادا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے مراتب بڑھا دیتے ہیں۔

''اگر تم شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفران نعمت کرو گے تو میری سزا

بہت سخت ہے۔'' (ابراہیم: ۷)

اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے فرماتے ہیں:

''اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور رسولؐ پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریقہ کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔'' (النسا: ۵۹)

اولی الامر کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ بندہ امر کو سمجھے۔ امر کی تعریف یہ ہے:

''اللہ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کو ظاہر کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو اور وہ ہو جاتی ہے۔''

(یٰسٓ: ۸۲)

امر صلاحیت ہے جس کے تحت شے خیال کے ساتھ عدم سے وجود میں آتی ہے۔ اس صلاحیت کے حامل لوگ اللہ کے دوست ہیں۔ اولی الامر حضرات وخواتین کے حکم کی تعمیل کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

اللہ کے دوستوں میں سے ایک حضرت غوث علی شاہؒ مراتب کے احترام سے متعلق بیان کرتے ہیں کہ،

ایک گرو اور چیلا سیر وسیاحت کے دوران ''بیداد نگری'' نامی شہر میں داخل ہوئے۔ یہاں ہر چیز ایک روپیہ فی سیر کے حساب سے ملتی تھی۔ چیلا بہت خوش ہوا لیکن گرو نے حالات کا ادراک کر لیا اور کہا کہ میاں یہ بیداد نگری ہے جتنا جلد ہو سکے اس شہر سے نکل جانا چاہئے، یہاں حفظِ مراتب کا کوئی لحاظ نہیں۔ چیلا نہیں مانا اور کہا کہ ارزانی کی وجہ سے زندگی چین سے بسر ہوگی۔ گرو نے خاموشی اختیار کی اور قیام کر لیا۔ چیلا وقت بے وقت قسم قسم کے کھانے کھاتا، روز حلوہ پوری سے سیر ہوتا یہاں تک کہ پھول کر گول گپّا ہو گیا۔ ہر شے ایک روپیہ فی سیر ملنے سے اشیا کی قدر کم ہو گئی۔

ان دنوں راجا نے ایک شخص کو قتل کے مقدمہ میں پھانسی کی سزا سنائی۔ وزیر نے کہا، سزا مناسب ہے لیکن یہ شخص ضعیف ہے۔ راجا کچھ سوچتے ہوئے بولا، اچھا ایسا کرو کسی موٹے تازے آدمی کو پکڑ لاؤ۔

خادم مطلوبہ شخص کی تلاش میں نکلے تو چیلے پر نظر پڑی۔ گرفتار کر کے پیش کیا۔ راجا نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا، اس کو پھانسی دی جا سکتی ہے۔

چیلے نے خوب شور مچایا کہ میں بے قصور ہوں۔

راجا نے کہا، بے قصور تو ہو لیکن جسم فربہ ہے اس لئے کم زور شخص کی جگہ سزا تمہیں ملے گی۔

گرو چیلے کی تلاش میں محل پہنچا اور ملامت کی کہ اور کھاؤ فی روپیہ حلوہ پوری اور روغنی غذائیں! تنبیہ کی تھی کہ اس شہر میں قیام مناسب نہیں، یہاں حفظِ مراتب کا کوئی لحاظ نہیں مگر تم نہیں سمجھے۔ کوئی تدبیر کرتا ہوں۔ اب جو کہوں اس پر عمل کر لینا!

گرو نے راجا سے کہا، سرکار! ایسا کریں کہ آپ مجھے پھانسی دے دیں۔ چیلے نے فوراً کہا، نہیں راجا صاحب

مجھے پھانسی دی جائے ۔گرو نے کہا نہیں! اس کی جگہ مجھے پھانسی دی جائے۔

راجا پریشان ہوا اور پوچھا، لوگ پھانسی کے نام سے ڈرتے ہیں اور تم خود کو ہلاکت میں ڈالتے ہو—؟

گرو بولا ، سالہا سال بعد وہ گھڑی آئی ہے کہ اس وقت پھانسی پانے والا شخص سیدھا جنت میں جائے گا۔

راجا نے کہا، یہ بات ہے تو پہلے مجھے پھانسی دو۔ راجا کو پھانسی لگی اور یہ دونوں وہاں سے فرار ہو گئے۔

حضرت غوث علی شاہؒ نصیحت فرماتے ہیں کہ روحانی استاد کی ہدایت پر کاربند رہنا چاہئے ۔ حفظِ مراتب کو چھوڑنا اور بغیر محنت کے ترلقمے ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے پیغام بر اور نائب ہونے کے اعتبار سے انبیائے کرام کائنات میں علیحدہ اور اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ اسی طرح انبیائے کرام کے نائب کی حیثیت سے اولیائے کرام عام لوگوں سے ممتاز ہیں۔

ایک مرتبہ حضور قلندر بابا اولیاؒ نے سورہ واقعہ کی 75، 76 نمبر آیتوں کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا،

''نجم کے معنی ہیں مرکز روشنی۔ قرآن پاک میں زیادہ تر یہ لفظ ان ہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اس طرح کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ سب روشنیوں کے مرکز فنا ہو جائیں گے ۔ اللہ تعالیٰ مذکورہ بات کہہ کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ روشنیوں کے مراکز کا فنا ہو جانا اور ختم ہو جانا معمولی بات نہیں ۔ جب تک یہ موجود ہیں نوع انسانی کو ان سے فائدہ اٹھانے کے مواقع حاصل ہیں ۔ جب نہ ہوں گے تو نوع انسانی فلاح پانے کی لاکھ کوشش کرے، کام یاب نہیں ہو سکے گی ۔ روشنی کے مراتب اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں کا مجموعہ ہیں ۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ اس بات کو سمجھنے پر زور دے رہے ہیں کہ میرے بنائے ہوئے روشنیوں کے مراکز کو نظر انداز کر دینا بہت بڑی بدقسمتی اور ناکامی ہے۔''

قارئین! ہماری زندگی مراتب میں گزرتی ہے۔ ہر وہ شے جس کے بدلنے کو ہم تغیر کہتے ہیں، اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ جہاں سے جن روشنیوں کے ساتھ آئی ہے، واپس جاتے ہوئے روشنی کی وہ مقداریں برقرار رہیں اور مقداروں پر کثافت کا غلبہ نہ ہو۔

الٹے کام سیدھے ہو جائیں گے

ایک ولی اللہ سے کسی نے اپنی تقدیر کا شکوہ کرتے ہوئے کہا کہ میری قسمت میں سکون نہیں ۔ جو کام کرتا ہوں، وہ الٹ ہو جاتا ہے۔ ولی اللہ نے پوچھا، مہر دیکھی ہے؟ عرض کیا، جی دیکھی ہے۔ پوچھا، معلوم ہے کہ اس پر لکھائی کیسے ہوتی ہے؟ بتایا کہ الفاظ الٹے لکھے جاتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا، جانتے ہو وہ سیدھے کیسے ہوتے ہیں؟ پھر الفاظ پر زور دیتے ہوئے فرمایا، جب مہر اپنا ماتھا کاغذ پر ٹیکتی ہے تو اس کے الٹے الفاظ سیدھے ہو جاتے ہیں۔ تو بھی اپنے مالک کے حضور زمین پر پیشانی رکھ — سجدہ کر— تیرے بھی الٹے کام سیدھے ہو جائیں گے۔

عائشہ خان

مرشد کی باتیں

خطاب میں جتنے سوالات کئے گئے، اس نے بعد میں سب کاپی میں لکھے اور ترتیب وار غور وفکر کیا کیوں کہ جب تک وہ ان کے جواب تلاش نہیں کر لیتا، ذہن ـــ ذہن سے ہم آہنگ ـــ کیسے ہوتا؟

کمرے میں اندھیرا تھا۔ الماری میں سے موم بتی نکالی، تیلی کو ماچس سے رگڑا اور وہ موم بتی سے ہم آغوش ہوئی ـــ روشنی نے ایک جست بھری اور موم بتی روشن ہوگئی۔ جیسے ہی روشنی غالب آئی، اندھیرا چھٹ گیا اور جو چیزیں نظر نہیں آرہی تھیں وہ خود سامنے آگئیں۔ موم بتی کی لو پر نظر گئی تو دیکھا وہ نہایت سلیقہ سے آہستہ آہستہ سکون وسکوت کے ساتھ گھل رہی ہے اور گھلنے میں سے روشنی پھوٹ رہی ہے۔

وہ کھڑے کھڑے میکانیکی انداز سے بیٹھ گیا۔ کہاں بیٹھ گیا، اس کا پتہ نہیں۔ شمع کی لو پر دیکھا تو لو میں ارتعاش سے دل تیز تیز دھڑکتا محسوس ہوا۔

اٹھا ـــ الماری میں سے پنسل اور ڈائری اٹھائی۔ میکانیکی طور پر کاغذ پر پنسل رینگنے لگی اور وہ مبہوت ہوکر لکھتا چلا گیا۔ غیر اختیاری طور پر الفاظ ترتیب میں قطار در قطار نمایاں ہوگئے۔

اب آگے پڑھئے.....

دنیا میں رہ کر دنیا کی ہنگامہ خیزی سے بے نیاز اس شہر میں ایک عارف ہے جس کا قرب پانی میں رہ کر پانی میں بھیگنے سے محفوظ رہنا سکھاتا ہے۔

صاحبِ محبت کے قلب کا عکس قلوب پر منعکس ہو تو محبت کی لو بیدار ہوتی ہے ـــ کہیں مدہم، کہیں تیز، کہیں بہت تیز اور کہیں بہت مدہم ـــ لو میں حدت وجود میں سرایت کرتی ہے تو وجود رفتہ رفتہ پگھلتا ہے، ''میں'' کی دیوار بوسیدہ ہوتی ہے، خود کو نثار کر دیتی ہے۔

جاں نثاری میں کمال ''میں'' کا نہیں، ''مسکراہٹ'' کا ہے اور مسکراہٹ ''حدت'' ہے جس سے قلب کی دنیا زیر وزبر ہوتی ہے۔ زیر وزبر میں اعتدال، قیام ہے۔ قیام کے بارے میں الحی القیوم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''جو لوگ علم میں راسخ ہوجاتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارا مکمل یقین ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے۔''

راسخ فی العلم ہونا ـــ حق الیقین ہے۔

ایمان یعنی مشاہدہ ـــ عین الیقین ہے۔

ہر شے اللہ کی طرف سے ـــ علم الیقین ہے۔

واقف اسرارِ کُن فیکون ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کے چالیسویں عرس کی تقریب میں ہزاروں کا مجمع، فضا پُرسکوت، سکوت میں بے تابی، بے تابی میں کشش، کشش میں گریز، گریز میں کسک، کسک میں طلب، طلب میں خاموشی اور خاموشی میں صاحبِ علم لدنّی کی آواز ! وہ موجود ہوکر بھی وہاں نہیں، حسب استطاعت آواز کی لہروں کے ساتھ محوِ سفر تھا۔

شیخ نے زندگی کے مقصد ''معرفت ذات'' کی بات کی تو جھما کا ہوا جس سے مادی وجود مغلوب اور اندر میں ہستی غالب ہوگئی۔

خیال نے کہا، سوچو یہ کیا ہوا — ؟ کوئی ایک شے وجود میں ایسی نہیں جس کے مالک تم ہو، میں بھی تمہارے اختیار میں نہیں اور یہ وجود بھی جس نے معرفت الٰہی کا پیغام سن کر خود کو سرنڈر کرلیا اور تمہیں مادی وجود مغلوب محسوس ہوا۔ غور کرو! مغلوب ہونے سے کون غالب ہوا؟

جواب معلوم نہیں لیکن معلوم تھا۔

''اندر بنی'' کی فلم تیزی سے چلی، کیفیت قلب میں نقش ہوئی اور پھر مرشد کریم کی آواز نے اگلے نکات کی طرف متوجہ کیا۔ انہوں نے غیب ظاہر غیب کی حقیقت بیان کی۔

فرمایا، بچے سے پوچھیں تم کتنے سال کے ہو؟ وہ کہے گا میں 20 سال کا ہوں۔ پوچھیں 20 سال کہاں گئے؟ وہ کہے گا پتہ نہیں۔ جب آپ کو پتہ نہیں تو آپ 20 سال کے کیسے ہوئے — ؟

سوال ذہن کھولنے والا تھا۔ ایک دریچہ کھلا اور وہ میکانیکی طور پر اس دریچہ میں داخل ہوگیا۔

خیال نے کہا کہ 20، 30، 40 یا 50 سال اسپیس ہے۔ ہم اس کو عمر کہتے ہیں۔ جب کہ ہمیں نہیں معلوم یہ اسپیس کہاں ہے — ؟ کیا عمر مفروضہ نہیں ہوئی — ؟ اگر فرد 20 سال کا ہے تو 21 ویں سال کے پہلے دن میں گذشتہ 20 سالوں کا ریکارڈ موجود ہے۔ آسمانی کتابیں تصدیق کرتی ہیں اور اس ریکارڈ کو کتاب المرقوم کہتی ہیں۔ سورہ مطففین میں ارشاد باری تعالیٰ ہے،

''ہرگز نہیں! یقیناً بدکاروں کا نامۂ اعمال قید خانہ کے دفتر میں ہے۔ اور تمہیں کیا ادراک کہ کیا ہے وہ قید خانہ کا دفتر۔ وہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی۔''

''ہرگز نہیں! بے شک نیک آدمیوں کا نامۂ اعمال بلند پایہ لوگوں کے دفتر میں ہے اور تمہیں کیا ادراک کہ وہ بلند پایہ لوگوں کا دفتر کیا ہے۔ ایک لکھی ہوئی کتاب۔''

فرد اس ریکارڈ سے منسلک ہے ورنہ حافظہ سے ربط ٹوٹ جائے گا۔ 20 سال کی وسعت اور ان سالوں کا سمٹ کر 21 ویں سال کے پہلے دن میں داخل ہونا! کیا اسپیس کا گھٹنا بڑھنا مفروضہ نہیں ہے — ؟

خطاب میں جتنے سوالات کئے گئے، اس نے بعد میں سب کاپی میں لکھے اور ترتیب وار غور وفکر کیا کیوں کہ جب تک وہ ان کے جواب تلاش نہیں کرلیتا، ذہن — ذہن سے ہم آہنگ — کیسے ہوتا؟

بلاشبہ خطاب آسان لیکن اندر کی آواز تھی جس میں سوالوں پر تفکر سے مرید اپنی استطاعت کے مطابق حقیقت سے متعارف ہوا۔ البتہ تعارف جب تک مشاہدہ میں داخل نہ ہو وہ سمجھ جاتا ہے کہ کہیں نہ کہیں اس کا رویہ دیوار ہے۔

مرشد کریم نے خطاب کے دوران قرآن کریم ترجمہ سے پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو ہزاروں کے مجمع میں کہیں سے جواب نہیں آیا۔

فرمایا، سورہ عصر کا ترجمہ ہی بتادو۔

ہر طرف خاموشی تھی۔ اللہ جانے لوگوں کو ترجمہ معلوم نہیں تھا یا وہ ہاتھ بلند کرنے کی ہمت نہ کر سکے بہرحال یہ منظر مایوس کن تھا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ خود وہ ہاتھ بلند نہ کر سکا۔ ہوا یہ کہ ہاتھ آدھا بلند کیا ہی تھا کہ واپس رکھ دیا۔ ساتھ بیٹھے ہوئے فرد نے پوچھا کہ جب معلوم ہے تو بتاتے کیوں نہیں ــــ؟

وہ بولا، سورہ عصر کا ترجمہ آتا ہے، پورے قرآن کا نہیں۔ ہاتھ کیسے بلند کروں۔

درحقیقت اپنا عمل اس کے سامنے تھا اور وہ سخت نادم، ہاتھ بلند نہیں کر سکا۔ ترجمہ معلوم ہو لیکن عمل نہ ہو یا ترجمہ میں مفہوم منکشف نہ ہو تو یہ جاننا نہ جاننے کے برابر ہے۔ قرآن وہ ترتیب سے پڑھتا ہے، ترجمہ پر تفکر کرتا ہے لیکن جو وقت دیا جانا چاہئے، وہ نہیں ہے۔ سورہ عصر کے ترجمہ کو دہرانا شروع کیا۔

''قسم ہے زمانہ کی، انسان خسارہ میں ہے۔ مگر وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو ایمان لاتے ہیں، نیک کام کرتے ہیں، حق پر قائم رہنے کی اور صبر کرنے کی آپس میں تلقین کرتے ہیں۔''

سورہ عصر پڑھتے ہوئے توجہ ہمیشہ ''والعصر'' پر رکتی ہے۔ مترجمین نے ''قسم ہے زمانہ کی'' ترجمہ کیا ہے۔ اگلی آیات میں ہے کہ جو لوگ خود کو سرنڈر کرتے ہیں انہیں قرب عطا ہوتا ہے اور یہ قرب قائم رہتا ہے۔ حق الیقین میں داخل ہونے کے لئے وہ دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ صبر سے مراد یہ یقین ہے کہ اللہ میرے ساتھ ہے اور یہاں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہے ــــ ایسے لوگ خسارہ میں نہیں ہیں۔ البتہ پوری سورہ کا مفہوم اس وقت واضح ہوگا جب ''والعصر'' منکشف ہو۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ قمر میں وعدہ فرمایا ہے کہ،

''ہم نے قرآن کو سمجھنا آسان کر دیا، ہے کوئی سمجھنے والا؟''

سوچتے سوچتے ایک روز شرح صدر ہوا۔ لاشعور نے ''والعصر'' کو سورہ دہر کی پہلی آیت سے ملایا اور بتایا کہ دونوں میں زمانہ کا ذکر ہے۔

''کیا انسان پر زمانہ میں ایک وقت ایسا نہیں گزرا جب اس میں تکرار نہیں تھی؟''

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ خالق و مالک اور رازق اللہ نے اپنے ایک پیارے دوست کو اس کا نگہبان بنایا۔ اللہ تعالیٰ کی سنت اور حضور پاکؐ کی سیرت کے

مطابق مہربان مرشد نے مرید کی طرز فکر تفکر کے پیٹرن پر قائم کر دی۔ ذہن بیش تر وقت تفکر میں مگن رہتا ہے۔

ڈائری لکھتے ہوئے مرشد کریم کی بات یاد آ گئی اور دل خوشی سے معمور ہو گیا۔ کریم مرشد تحریر لکھوا رہے تھے۔ شیخ تخت پر اور وہ قریب بیٹھا ہوا ڈائری تخت پر رکھ کر الفاظ کاغذ پر منتقل کر رہا تھا۔

نفسِ مضمون مکمل ہوا تو ایک وقفہ میں فرمایا، سوچو! آپ کا تعلق کہاں سے ہے۔ قبائلی خاندان، جنگ و جدل کا پس منظر جہاں دشمنیاں نسلوں تک چلتی ہیں — اور اس وقت آپ کہاں ہیں۔ اللہ نے ''کہاں'' سے لا کر ''کہاں'' بٹھا دیا۔

مرشد کریم نے پس منظر کی اس انداز میں منظر کشی کی جیسے وہ اس کے آباؤ اجداد کے دور کو دیکھ رہے ہوں۔

وہ شیخ کے قدموں میں بیٹھا ہوا تھا۔

عرض کیا — بے شک!

کریم مرشد نے فرمایا — یہ اللہ کا انعام ہے۔

''والعصر'' میں الست بربکم سے پہلے کے وقت کا ذکر ہے اور بتایا گیا ہے کہ زندگی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر قائم ہے۔ جو خود کو ''سرنڈر'' کر دیتا ہے، وہ دوئی کے قانون سے واقف ہو جاتا ہے — اللہ ایسے بندہ کو خسارہ سے محفوظ رکھتا ہے۔

مرشد کریم نے قرآن کو لفظ بہ لفظ پڑھنا سکھایا ہے۔ جب تک کوئی لفظ سمجھ میں نہ آئے، وہ آگے نہیں بڑھتا۔

اسی طرح ''لوح و قلم'' پڑھتا ہے تو پہلی سطر سے پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ ہر بار نئی بات کا انکشاف ہوتا ہے۔

شیخ طریقت سے ایک روز عرض کیا،

حضور! مجھے ''لوح و قلم'' پڑھنے کا بہت شوق ہے اور یقین ہے کہ وہ وقت آئے گا جب آپ پڑھائیں گے۔ وہ مسکرا دیئے۔

عرض کیا، پہلے اس کو پڑھ کر ذہن سن ہو جاتا تھا اب اپنی سکت کے مطابق پڑھتا ہوں۔ پروا نہیں ہوتی کیا سمجھا کیا نہیں — بس یہ جانتا ہوں کہ کچھ نہیں سمجھا اس لئے بار بار پڑھتا ہوں۔

پوچھا، کیسے پڑھتے ہو —؟

کچھ عرصہ پہلے آپ نے فرمایا تھا کہ تحریر سے مانوس ہونے کی کوشش کرو، تحریر — لکھنے والے کا ذہن ہے۔ عمل کرنے سے حکم میں حکمت واضح ہوئی۔

فرمایا، پھر آپ نے کیسے پڑھا —؟

عرض کیا، جیسے آپ نے قرآن پڑھنا سکھایا ہے۔ ایک ایک لفظ — ایک ایک لفظ۔ لفظ بہ لفظ پڑھ کر ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ پھر اللہ کے فضل سے خیال کی فلم ریلیز ہوتی ہے اور قوانین کا انکشاف ہوتا ہے۔

جیسے کہ لکھا ہے،

''نوع انسان میں زندگی کے پیش نظر طبائع کی مختلف ساخت ہوتی ہیں۔''

نوع کیا ہے، انسان کسے کہتے ہیں، زندگی کیا ہے، پیش نظر سے کیا مراد ہے۔ البتہ طبائع پر آ کر ذہن

رک جاتا ہے۔ جب تک طبائع کی ساخت کا مفہوم واضح نہیں ہوگا، آگے تفکر نہیں کرسکتا۔ دل نہیں مانتا۔ پہلے جملہ میں کوئی لفظ سمجھنے سے رہ گیا تو تفہیم ادھوری رہ جائے گی اور پھر جب پہلی بات سمجھ میں نہ آئے تو بعد کے جملے کیسے سمجھ میں آئیں گے ــــ؟

فرمایا، بہت اچھی بات ہے۔ آج تک کسی نے مجھ سے یہ بات نہیں کی۔ اس طرح سے کوئی نہیں پڑھتا۔ آپ پہلے شخص ہیں جس نے یہ کہا ہے۔

عرض کیا، حضور! اس میں میرا کیا کمال ــــ یہ تو آپ نے سکھایا ہے۔

فرمایا، اگر میں تمہاری تعریف کررہا ہوں تو کیا تم تھوڑی دیر خاموش نہیں رہ سکتے۔

مرید ہنس دیا اور مرشد مسکرا دیئے۔

فرمایا، طبائع کا مفہوم سمجھ میں آیا؟

''لوح وقلم'' اس وقت پاس رکھی تھی۔ اجازت لے کر پڑھنا شروع کی،

''نوع انسان میں زندگی کی سرگرمیوں کے پیش نظر طبائع کی مختلف ساخت ہوتی ہیں مثلاً ساخت الف، بے، پے، چے وغیرہ وغیرہ۔ یہاں زیر بحث وہ ساخت ہے جو قدم قدم چلا کر عرفان کی منزل تک پہنچاتی ہے۔''

سر! طبائع = طبیعت۔ طبیعت کا تعلق مزاج سے ہے۔ مزاج مقداروں سے بنتا ہے۔ طبائع کے معنی انسپائر ہوئے کہ مقداریں۔ مقداروں سے ساخت بنتی ہے۔

شاعر کبیر داس فرماتے ہیں

- اٹھا بگولا پریم کا تنکا اڑا اکاس
  تنکا تنکا سے ملا تنکا تِن کے پاس
- یہ تت وہ تت ایک ہے ایک پران دو گات
  اپنے جیہ سے جانیے میرے جیہ کی بات
- بیبیا چاہے پریم راس راکھا چاہے مان
  ایک میان میں دو کھڑگ دیکھا سنا نہ کان
- لالی میرے لال کی جت دیکھوں تت لال
  لالی دیکھن میں گئی میں بھی ہوگئی لال

الف، بے، پے، چے وغیرہ زندگی میں لاشمار ساخت ہیں مگر جو ساخت قدم قدم چلا کر عرفان تک پہنچاتی ہے وہ ''احسن تقویم'' ہے۔ عرفان کی منزل سے مراد یہاں ''احسن تقویم'' ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کو ''احسن تقویم'' فرمایا ہے۔ اور اس راستہ کو طے کرنے کا قانون ــــ قدم قدم ہے۔

شیخ نے تعریف کی اور فرمایا، ایسے ہی پڑھتے ہیں۔

بات صاحبِ علم لدنّی کے خطاب سے شروع ہوئی تھی۔ خطاب کے دوران آگہی کا انکشاف اس قدر پُر اثر تھا کہ ذہن کئی دن مغلوب رہا۔ مختلف مشاہدات سے گزرا یہاں تک کہ اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے واقف اسرار کُن فیکون ابدالِ حق کی شبیہ آنکھوں کے سامنے آجاتی۔ تین دن یہ کیفیت رہی اس کے بعد ذہن کسی اور کام میں مشغول ہوگیا۔

محمد علی ضیا

ماء = پانی = روشنی

جن علاقوں میں بارش نہیں ہوتی، وہاں زمین پر گھاس پھوس یا کیکر کا اگ آنا کیا ہے — ؟اس حقیقت سے واقف ہونے کے لئے تفکر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ہم غور کریں آسمان سے پانی برسنے سے کیا مراد ہے — ؟

پانی زندگی کی اکائی ہے۔ انسان کے جسم میں 60 فی صد وزن پانی کا ہے۔ جسم کے تمام خلیات میں پانی موجود ہے جو ہڈیوں، خون، دماغ اور تمام اعضا میں نمی برقرار رکھنے کے علاوہ جسم کا درجہ حرارت اعتدال پر رکھتا ہے۔ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ جب آنکھیں، ناک یا حلق خشک ہوں تو بے چینی محسوس ہوتی ہے۔ جتنی مخلوقات موجود ہیں، سب کی نشوونما کے لئے پانی اہم ہے۔ تخلیقی عمل پر غور کیا جائے تو زمین پر تولیدی سلسلہ پانی کے اوپر قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

''اور ہم نے ہر جان دار شے پانی سے بنائی۔''

(الانبیآء: ۳۰)

پہاڑ ہو یا وائرس، مخلوقات کی بنیاد ایک ہے۔

آگ پر تفکر سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آگ میں بھی پانی کا عمل دخل ہے۔ آگ سے نکلنے والے دھوئیں میں آبی بخارات پائے جاتے ہیں۔ یعنی جہاں ٹھنڈک اور ہریالی ہے، وہاں مغلوب رخ آگ ہے اور جہاں آگ غالب ہے وہاں مغلوب رخ ٹھنڈک ہے۔ بالفاظ دیگر جہاں درخت موجود ہیں وہاں آگ بھی موجود ہے کیوں کہ دونوں کی بنیاد ایک ہے۔

''کیا تم نے آگ کو دیکھا ہے جو تم سلگاتے ہو؟ کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرتے ہیں۔'' (الواقعہ: ۷۱۔۷۲)

''جس نے تمہارے لئے سرسبز درخت سے آگ پیدا کی پھر تم اس سے آگ نکالتے ہو''۔ (یٰسٓ: ۸۰)

آگ کا ظاہر رخ گرم ہے، اتنا گرم کہ ہر شے کو راکھ کر دیتا ہے لیکن آگ کا باطنی رخ سرد ہے۔ اس کی ایک مثال حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ ہے جب نمرود نے انہیں آگ میں ڈالا اور اللہ کے حکم سے آگ — گل و گلزار میں تبدیل ہوگئی۔ ارشاد ربانی ہے:

''بارش کے پانی میں بے شمار نشانیاں ہیں جو اللہ اوپر سے برساتا ہے۔ پھر اس کے ذریعہ سے مردہ جسم کو زندگی بخشتا ہے اور زمین میں ہر قسم کی جان دار مخلوق کو پھیلاتا ہے۔'' (البقرۃ: ۱۶۴)

اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے اور اس میں سے ہمارے لئے رزق پیدا کرتا ہے اور جب مردہ زمین

پر بارش برستی ہے تو زمین کے اندر زندگی دوڑ جاتی ہے۔ خشک زمین بظاہر بنجر نظر آتی ہے مگر زمین کے اندر مخلوقات کی ہزاروں قسمیں ہیں جو سطحِ زمین پر نظر نہیں آتیں۔

بتایا جاتا ہے کہ ایک گرام مٹی میں کھربوں جراثیم ہوتے ہیں۔ جب طویل عرصہ تک بارش نہیں ہوتی تو زمین کے اندر یہ جراثیم بے حرکت ہوجاتے ہیں۔ اور جب بارش برستی ہے تو یہ کھربوں جراثیم زندہ اور متحرک ہوجاتے ہیں۔ بارش کے بعد زمین کے اندر نمو کا عمل لاشمار مخلوقات جیسے کیڑے مکوڑوں، درختوں، پودوں اور طرح طرح کی سبزیوں کی نشوونما کا سبب بنتا ہے۔ بارش کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ زیرِ زمین شہر کے شہر آباد ہوگئے ہیں۔ ابدال حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

ہے زیرِ زمین بھی شہر کی آبادی
مٹی کے صنم سے ہے وہاں آزادی
ہے موت کا سایہ بھی وہاں پر ممنوع
ممکن ہی نہیں حیات کی بربادی

موجودہ سائنس اس بات تک پہنچ چکی ہے کہ بادلوں کے اندر موجود پانی کے ہر قطرہ پر مثبت یا منفی چارج ہوتا ہے۔ یہ ذرّات جب آپس میں ٹکراتے ہیں تو بیش تر مثبت چارج بادلوں کے اوپری حصہ میں اور بیش تر منفی چارج بادلوں کے نچلے حصہ میں جمع ہوجاتا ہے۔ اس چارج کی طاقت لاکھوں وولٹ ہوتی ہے۔ ایک بادل کے منفی ذرّات جب دیگر بادلوں کے مثبت ذرّات سے ٹکراتے ہیں یا بادل کے منفی ذرّات زمین پر موجود اشیا کے مثبت ذرّات سے ٹکراتے ہیں تو بجلی کا کوندا (spark) لپکتا ہے۔ اسپارک سے آس پاس کی ہوا شدید گرم ہوجاتی ہے۔ ہوا کا درجۂ حرارت تقریباً 33 ہزار سینٹی گریڈ تک بڑھ جاتا ہے۔ گرم ہوا تیزی سے پھیلتی ہے اور اردگرد کی سرد ہوا سے ٹکراتی ہے جس سے دھماکے کی شدید آواز پیدا ہوتی ہے۔ گرج اور چمک کا یہ عمل اگرچہ بہ یک وقت واقع ہوتا ہے لیکن آواز کی لہریں روشنی سے کم رفتار ہونے کی وجہ سے، گرج — چمک کے بعد سنائی دیتی ہے۔

محققین نے اندازہ لگایا ہے کہ ایک سیکنڈ میں دنیا بھر میں تقریباً ایک سو اسپارک وجود میں آتے ہیں اور بجلی کے ایک اسپارک میں اتنی توانائی ہے جس سے ایک چھوٹے شہر کی ایک سال کی ضروریات پوری ہوسکتی ہیں۔

بجلی کی چمک سے پیدا ہونے والی حرارت اور توانائی سے بادلوں میں پانی کے ذرّات شکست و ریخت کے عمل سے گزرتے ہیں اور فضا میں موجود دیگر گیسوں کے ساتھ کیمیائی تعامل کرتے ہیں۔ نتیجہ میں آکسیجن، ہائیڈروجن اور نائٹروجن کا کیمیائی مرکب بنتا ہے جسے امونیم نائٹریٹ کا نام دیا گیا ہے۔ یہ بہترین کھاد ہے۔ یہ کھاد پانی میں حل ہوکر جب زمین میں جذب ہوتی ہے تو پودوں اور فصلوں کو نئی زندگی عطا ہوتی ہے اور صحرا اور چٹیل میدان سرسبز ہوجاتے ہیں۔

قارئین کے لئے باعث حیرت ہوگا کہ آسمان پر بجلی

کی ایک چمک سے پیدا ہونے والی کھاد کی مقدار ہزاروں لاکھوں ٹن ہوتی ہے۔

پانی ایسا جوہر ہے جس کے ہر قطرہ پر منفی اور مثبت دونوں چارج بیک وقت پائے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے پانی کی خاصیت مقناطیس کی ہے۔ مقناطیس میں بھی مثبت اور منفی دونوں چارج ہوتے ہیں۔ دونوں چارج کشش وگریز کی قوت کا سبب ہیں۔

کشش وگریز کی قوت کی وجہ سے پانی کے سالمات (مالیکیول) میں تناؤ کی کیفیت برقرار رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پانی کو پانی سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

یعنی پانی ایسا سیال ہے جو پھیلنے اور سمٹنے کی بدرجہ اتم صلاحیت رکھتا ہے۔ پانی ایک پیالہ میں ہو، گلاس میں ہو یا مٹکے میں ہو، تالاب، دریا اور سمندر میں ہو، جتنا چاہے خود کو پھیلا دیتا ہے اور جتنا چاہے خود کو سمیٹ لیتا ہے۔ اسی خصوصیت کی بنا پر پانی جس سانچہ میں جاتا ہے اس سانچہ یا ڈائی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پانی کی یہ صلاحیت پانی کی لاشعوری صفت ہے۔ پانی کے باطن کا مظاہرہ ہے۔

پانی کا ظاہری رخ جس سے ہم واقف ہیں وہ ایک سیال ہے جو ہم پینے اور دیگر کاموں کے لئے استعمال کرتے ہیں لیکن پانی کا باطنی رخ بھی ہے اور یہ پانی کے جس ظاہری رخ سے ہم واقف ہیں، اس سے بالکل مختلف ہے۔ تمام الہامی کتابیں پانی کے اس باطنی یا لاشعوری رخ کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''اور آسمان سے پانی نازل کیا تاکہ تمہیں پاک کرے اور شیطان کی نجاست تم سے دور ہو جائے۔'' (الانفال:۱)

''اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ یوم میں بنایا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔'' (ھود:۷)

الہامی کتابوں کے مطابق پانی زندگی کی بنیاد ہے جس پر دنیا قائم ہے۔ حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں:

''جو کنوئیں کا پانی پیتا ہے اسے پیاس لگے گی لیکن جو شخص وہ پانی پیئے گا جو میں اسے دوں گا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی بلکہ یہ پانی اس میں ایک چشمہ بن جائے گا جس سے ہمیشہ کی زندگی کا پانی پھوٹے گا۔''

(انجیل یوحنا: باب۴: ۱۴۔۱۵)

حضرت عیسیٰؑ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو مجھ پر ایمان لائے گا اس کے اندر زندگی کی ندیاں بہیں گی۔

آیات پر تفکر سے عقدہ کھلتا ہے کہ وہ پانی جس سے شیطان کی نجاست دور ہوتی ہے اور جس پانی پر اللہ کا عرش قائم ہے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پانی یا ''ماء'' دراصل وہ روشنی ہے جو کائنات کی بنیاد ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ پانی برستا ہے تو کھیتی باڑی ہوتی ہے لیکن جہاں پانی نہیں برستا وہاں بھی درخت اگتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے ــــ؟ سندھ کے ریگستان تھر اور ہندوستان کے صحرائی علاقہ چولستان میں بارش شاذ و نادر برستی ہے۔ وہاں کیکر، تھور، کیکٹس کے پودے

بکثرت اگتے ہیں۔ بظاہر بارش کے بغیر یہ چیزیں زمین پر ہیں لیکن باطن میں حقیقت اور ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ یہ درخت یا پودے پانی کے بغیر اگ آتے ہیں، زیر زمین بھی پانی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کی ضرورت مقام اور جغرافیائی حالات کے مطابق پوری کرتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ جو شے جس علاقہ میں موجود نہیں، وہ تجارت کے ذریعہ وہاں پہنچادی جاتی ہے۔

جن علاقوں میں بارش نہیں ہوتی، وہاں زمین پر گھاس پھوس یا کیکر کا اگ آنا کیا ہے—؟ اس حقیقت سے واقف ہونے کے لئے نظر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ہم غور کریں آسمان سے پانی برسنے سے کیا مراد ہے—؟

اللہ رب العالمین ایسی ہستی ہے جو آسمان سے پانی برساتی ہے اور پھر اس پانی سے مخلوقات کے لئے رنگ رنگ رزق پیدا کرتی ہے۔ مخلوقات پر غور کرنے سے تخلیقی راز سے پردہ اٹھتا ہے کہ کائنات کا ہر ذرّہ نقش و نگار کا حامل ہے۔ سات ارب کی آبادی بغیر نقش و نگار کے نہیں ہے۔ کسی کی ناک چپٹی ہے تو کسی کی کھڑی ہوتی ہے۔ کسی کی ناک چھوٹی ہے، کسی کی بڑی ہوتی ہے۔ کسی کی آنکھ بادامی ہے، کسی کی مخروطی اور کوئی غزال چشم ہے۔ دنیا کے جس خطہ میں آپ چلے جائیں کبوتر کالا ہو یا سفید، آپ اسے کبوتر کہتے ہیں۔ کائنات میں جتنی نوعیں ہیں، سب کے

مخصوص خدوخال ہیں۔

اللہ تعالیٰ آسمان سے ''ماء'' نازل کرتے ہیں۔ ماء کا ترجمہ پانی ہے لیکن پانی کی خصوصیات پر غور کریں تو یہ بات نظر آتی ہے کہ پانی ایسی مائع شے ہے جو بہتی ہے۔ نہ صرف بہتی ہے بلکہ جس جگہ وہ ٹھہرتی ہے وہاں سرایت کر کے اس کو سیراب کر دیتی ہے۔

آیئے تجربہ کرتے ہیں۔ کبوتر کی ڈائی بنائیں اور ڈائی میں پانی ڈال کر ڈیپ فریزر میں رکھ دیں۔ کچھ وقت کے بعد ڈائی کو باہر نکالیں۔ ہمیں کیا چیز ملے گی—؟

من وعن یہی حال قلفی کا ہے، جیلی کا ہے، دہی اور دیگر اشیا کا ہے۔ اللہ نے پانی کی خاصیت یہ رکھی ہے کہ پانی میں ماہیت قلب کی صفات ہیں۔ پانی جس ڈائی میں جاتا ہے ڈائی کی مناسبت سے خود کو تبدیل کر لیتا ہے۔ پانی نشیب میں بہتا ہے۔ پانی میں طاقت (انرجی) ہے جس سے بڑے بڑے ٹربائن چلتے ہیں اور بجلی حاصل ہوتی ہے۔ پانی میں طوفان آجائے تو بڑے

بڑے شہر لمحوں میں تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔

پانی کا مطلب ہے توانائی (انرجی) اور توانائی کی بنیاد روشنی ہے۔ارشاد ربانی ہے،

''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔'' (النور:۳۵)

اللہ آسمان سے روشنی نازل کرتا ہے، یہ روشنی زمین پر منعکس ہوتی ہے تو شجر و حجر اور دیگر نوعیں ظاہر ہوتی ہیں۔ بالفاظ دیگر زمین پر جو کچھ نظر آ رہا ہے، اس کا باطنی رخ روشنی ہے۔ یہی صورت آسمان کی ہے کیوں کہ آسمان پر اور آسمان ہیں۔ قران کریم میں ارشاد ہے۔

''اللہ ہی تو ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے تمہاری رزق رسانی کے لئے طرح طرح کے پھل پیدا کئے۔'' (ابراھیم:۳۲)

روشنی کا وصف یہ ہے کہ وہ جس ڈائی میں جاتی ہے، وہی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اور جس ڈائی سے وہ روشنی نکل آتی ہے وہ ڈائی محض خول رہ جاتی ہے۔

محترم عظیمی صاحب نے پانی اور روشنی کے باہمی تعلق کی تشریح اس طرح فرمائی ہے،

''جس کائنات کو مادی آنکھ دیکھتی اور پہچانتی ہے اس کی بنیاد روشنی ہے۔ موجودہ دور کی سائنس اس کو گیسوں کے نام سے جانتی ہے۔ روشنیوں کے بہاؤ سے مراد یہ ہے کہ صدہا گیسوں کے اجتماع سے شکلیں وجود میں آتی رہتی ہیں۔''

دریا پر قناعت ــــ؟

حضرت فریدالدین عطارؒ ایک حکایت میں فرماتے ہیں کہ پرندوں کے پیامبر ہدہد سے بگلے نے کہا، میں دریا کے کنارے غمگین رہتا ہوں، پانی کی آرزو ہے۔ دریا جوش کھا رہا ہے لیکن میں پانی نہیں پیتا کہ میں دریا سے پانی کا ایک قطرہ کم ہونا برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھ جیسے کے لئے اس کا عشق کافی ہے۔ اب میں دریا کے علاوہ کچھ نہیں چاہتا۔ ایسے میں پرندوں کے بادشاہ سیمرغ تک پہنچنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔ مجھے معذور سمجھو!

ہدہد نے کہا، اے بگلے (بگلے نہیں)! تجھے دریا کی حقیقت کیا معلوم! دریا تو طرح طرح کی حیات سے بھرا ہوا ہے۔ اس کا پانی کبھی پرسکون ہوتا ہے اور کبھی پرجوش۔ کبھی میٹھا اور کبھی کھارا۔ دریا غیر مستقل اور ناپائیدار ہے۔ کئی لوگ کشتی میں سوار ہوئے اور اس کے گرداب میں پھنس گئے۔ اس میں غوطہ لگانے والا جان کے خوف سے سانس روک کے رکھتا ہے۔ اور اگر کوئی دریا میں جا کر سانس لے تو دریا اسے تنکے کی طرح اوپر لے آتا ہے۔ کیا تم نے دریا میں جوش نہیں دیکھا ــــ؟ وہ تو خود محبوب کے عشق میں بے تاب ہے۔ جب وہ اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکا تو تم اس سے اپنی مراد کیسے پا سکتے ہو ــــ؟ دریا محبوب کے راستہ کا ایک چشمہ ہے، تم اس پر قناعت کیسے کر سکتے ہو ــــ؟

محمد سعید انور

اسٹرابیری

شگفتہ سرخ رنگت اور سبز پتوں کا تاج لئے دل کی شکل کے مشابہ اسٹرابیری کو محبت کی علامت اور صحت کی ضمانت سمجھا جاتا ہے۔

اسٹرابیری کا آبائی وطن یورپ ہے۔ابتدا میں یہ پودا جنگلات میں خودرو تھا اور معالجین اس کے پھل اور پتوں کو بطور دوا استعمال کرتے تھے۔سولھویں صدی میں اس پھل کی خوب صورتی، سرخ رنگت، خوش بو، رس، مٹھاس اور غذائیت کی وجہ سے عوام میں اس کے استعمال میں اضافہ دیکھنے میں آیا اور پھر اس کی باقاعدہ تجارتی پیمانہ پر کاشت شروع کی گئی۔اس وقت تقریباً پوری دنیا میں اسٹرابیری کاشت کی جاتی ہے جس میں چین سرفہرست ہے۔دیگر ممالک میں امریکہ، میکسیکو، مصر، ترکی اور اسپین وغیرہ شامل ہیں۔

گذشتہ چند برسوں میں پاکستان کے زرعی محققین کی کاوش سے اسٹرابیری کا خوب صورت پودا پاکستان کی سرزمین پر بھی کاشت کیا جانے لگا ہے۔شمالی علاقہ جات کے علاوہ پنوعاقل، گھوٹکی، بہاولپور، فیصل آباد اور سیالکوٹ میں کاشت کی جارہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسٹرابیری پاکستان کے ہر حصہ میں وافر مقدار میں چھوٹی بڑی منڈیوں، دکانوں اور خوانچوں پر فروخت ہوتی نظر آتی ہے۔مقامی پیداوار میں اضافہ کی وجہ سے قیمت مناسب ہے۔

اسٹرابیری ذائقہ دار ہونے کے ساتھ غذائیت سے بھرپور ہے۔غذائی اجزا میں کاربوہائیڈریٹ، فائبر، شوگر، پروٹین اور وٹامن کی مختلف اقسام شامل ہیں۔ کیلشیم، میگنیشیم، فاسفورس، سوڈیم اور زنک بھی مناسب مقدار میں پایا جاتا ہے۔100 گرام اسٹرابیری میں وٹامن سی 58.8mg ہوتا ہے۔اس مقدار کے باعث اسٹرابیری وٹامن سی کا بہترین ذریعہ ہے۔

آٹھ عدد اسٹرابیریز، ایک عدد کینو سے زیادہ وٹامن سی مہیا کرتی ہیں۔دل کے مشابہ اسٹرابیری آپ کے دل کی دوست ہے، یہ HDL (مفید کولیسٹرول) کو بڑھاتی ہے۔فشارِ خون (بلڈ پریشر) کو اعتدال میں لاتی ہے۔کم کیلوریز ہونے کی وجہ سے اس کو کھانے سے موٹاپا نہیں ہوتا۔ خون میں گاڑھے پن اور چکنائی کی سطح کم کر کے خون کو پتلا کرتی ہے۔اسٹرابیری کھانے سے قوت مدافعت بحال رہتی ہے، نزلہ زکام سمیت بیش تر اقسام کی انفیکشن سے بدن محفوظ رہتا ہے۔

اسٹرابیری جلد کی دوست بھی ہے، اسے نکھارتی ہے اور تادیر جھریوں سے محفوظ رکھتی ہے۔مستقل خوراک کا

حصہ بنایا جائے ، ساتھ میں بطور ماسک استعمال کیا جائے تو بڑھتی عمر کے اثرات کم ہوتے ہیں۔ کاسمیٹک بنانے والے ادارے اسے مختلف اینٹی ایجنگ کریموں میں استعمال کرتے ہیں۔ تادیر جوانی کے لئے اچھی اور غذائیت سے بھرپور خوراک کے ساتھ خوش رہنا ضروری ہے۔ سمجھ لیں کہ یہ فارمولا ہے۔

اسٹرابیری کیل مہاسوں کو ختم کرنے میں مفید ہے۔ ہاتھوں اور پیروں کے لئے بہترین scrub ہے۔ ہڈیوں اور دانتوں کی صحت کے لئے فائدہ مند ہے۔ قدیم زمانہ سے اطبا اس کے پتوں کے جوشاندہ کو ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کے امراض اور گٹھیا کے لئے استعمال کرتے رہے ہیں۔ یہ بے بی آئل، شیمپو، لوشن، ٹوتھ پیسٹ، فیس واش، جیلی، جام، جوس، سیرپ وغیرہ بنانے میں بھی استعمال ہوتی ہے۔

اسٹرابیری کی ایک اہم خصوصیت کینسر کے خلاف قوت مدافعت پیدا کرنا ہے۔ ماہرین کے مطابق اسٹرابیری کو استعمال سے پہلے دھونا نہ بھولئے۔ احتیاط سے فرج میں رکھئے اور دو دن سے زیادہ اسٹرابیریز کو رکھنا نقصان دہ ہوسکتا ہے۔

اگر آپ ذیابیطس کے مریض ہیں اور بازار میں گلاب کے پھولوں کے درمیان سجی سرخ سرخ اسٹرابیری دیکھ کر جی للچاتا ہے تو پھر جی کی تسکین کا سامان کریں کیوں کہ امریکی ذیابیطس ایسوسی ایشن نے اسٹرابیری کو ذیابیطس کے خوراک چارٹ میں 10 بہترین غذاؤں میں شمار کیا ہے۔

امریکی ذیابیطس ایسوسی ایشن اس ضمن میں ہارورڈ یونی ورسٹی کے جمع کردہ تحقیقی نتائج پیش کرتی ہے جن کے مطابق 37 ہزار افراد پر تجربات نے ثابت کیا کہ ایسے افراد جو اسٹرابیری کا استعمال کرتے ہیں ان میں استعمال نہ کرنے والوں کے مقابلہ میں ذیابیطس کی شرح کم پائی گئی۔

روزانہ کتنی اسٹرابیریز کھائی جائیں؟

اسٹرابیری افادیت کے باوجود ایسا پھل نہیں ہے کہ اسے ''آم ہوں اور بہت ہوں'' کے مقولہ پر کھا سکیں۔ ماہرین کے مطابق اس کا زیادہ استعمال ڈائریا، گیس، گردہ میں پتھری، جلد کا پیلا پن، بخار اور امراض جگر کا باعث بن سکتا ہے۔

لہٰذا اسٹرابیری کھاتے وقت کیلیفورنیا اسٹرابیری کمیشن کی رائے کو اہمیت دیں جو کہتے ہیں کہ روزانہ آٹھ اسٹرابیریز کھائی جاسکتی ہیں۔ مذکورہ کمیشن وضاحت کرتا ہے کہ روزانہ آٹھ اسٹرابیریز کے استعمال سے روزانہ 45 کیلوریز، وٹامن سی کی ضروریات کا 140 فی صد، فولیٹ کا آٹھ فی صد، فائبر کا 12 فی صد اور پوٹاشیم کا 6 فی صد حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا اسٹرابیری کے آبائی وطن یورپ میں مشہور اس کہاوت کی اہمیت کو سمجھیں۔ وہ کہتے ہیں، صحت مند اور خوش رہنے کے لئے چند اسٹرابیریز ضرور کھائیں۔

ادارہ

اولی الالباب بچے

اللہ تعالیٰ چھپا ہوا خزانہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مخلوق مجھے پہچانے تو محبت سے مخلوق کو تخلیق کیا اور کائنات بنائی۔ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے وہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے واقف ہونے کی نشانیاں ہیں۔ جو چھوٹے اور بڑے بچے غور و فکر کرتے ہیں وہ اولی الالباب (عقل و دانش والے) کہلاتے ہیں۔ بچو! ذہن استعمال کریں، سوچیں اور جو جواب ذہن میں آئے، ہمیں بھیج دیں۔ ہمارا پتہ ہے: بچوں کا قلندر شعور، عظیمی محلّہ، سرجانی ٹاؤن، کراچی۔

السلام علیکم پیارے بچو! آپ کا دوست ''ماہنامہ قلندر شعور'' ایک اور سوال کے ساتھ حاضر ہے۔

صبح کا وقت ہے، اسکول جانے سے پہلے میز پر ناشتا حاضر ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھیں۔ پہلا نوالہ منہ میں ڈالیں۔ اچھی طرح چبائیں اور معدہ کو بھیج دیں۔ اب دوسرا نوالہ بنائیے۔ لیکن رکئے — آپ نے غور کیا کہ یہ سب کیا ہے — ؟ پلیٹ میں سے نوالہ غائب ہو کر پیٹ میں چلا گیا۔ غائب ہونے کا مطلب جو نوالہ غائب ہوا، اب ہم اسے نہیں دیکھتے لیکن وہ ہمارے معدہ میں موجود ہے۔ بچو! سوچئے کہ ہم آپ کو کیا بتانا چاہ رہے ہیں۔ غائب ہونا، ختم ہونا نہیں ہے — جو نوالہ آپ نے کھایا وہ توانائی (انرجی) بن گیا۔

ناشتے کے بعد جب آپ اسکول گئے تو کیا ہوا — ؟ گھر میں غیب ہو گئے اور اسکول میں حاضر ہو گئے۔ اسکول سے چھٹی کے بعد گھر آئے تو اسکول میں غیب اور گھر میں حاضر ہو گئے۔ اماں سے کہیں کہ آپ کو آپ کی ایک مہینہ یا پہلے سال کی تصویر دکھائیں۔ بتائیے تصویر میں ایک مہینہ یا پہلے سال کا بچہ کہاں گیا؟

اسی طرح صبح ہوئی تو رات غیب ہو گئی — پھر صبح غائب ہوئی تو رات ظاہر ہو گئی۔ جب رات ہوتی ہے تو صبح کہاں چلی جاتی ہے اور صبح ہوتی ہے تو رات کہاں چلی جاتی ہے — ؟

حاضر دماغ بچو! اس دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب غیب حاضر غیب ہے۔ آپ کے سامنے ایسی بہت سی مثالیں ہیں جو غائب ہوتی ہیں، پھر حاضر ہوتی ہیں اور پھر غائب ہو جاتی ہیں۔ ہر بچہ کم از کم دو مثالیں لکھ کر بھیجے۔

جواب 20 اپریل 2019ء تک ارسال کر دیجئے، شکریہ۔

فروری 2019ء میں مشق دی گئی تھی کہ پھل، خشک میوے اور سبزیوں میں جس چیز کی تصویر نظر آئے، نام لکھ کر بھیج دیں۔ چھوٹے بچوں نے غور وفکر کیا اور جوابات بھیجے۔ کچھ بچوں نے دیگر تخلیقات پر بھی غور کیا۔ چند بچوں نے انٹرنیٹ سے مدد لی۔ بچو! انٹرنیٹ سے مدد لینا اچھی بات ہے لیکن اپنا ذہن استعمال کرنا زیادہ اچھا ہے۔

شامہ، عبیرہ، زعیم احمد (کراچی): السلام علیکم! ہم تینوں نے مل کر مشق کی، بہت مزہ آیا۔ ہمارا تفکر یہ ہے۔ ہری مرچ (بھنویں)، انگور (آنکھ کے ڈیلے)، اسٹرابیری، موٹی ہری مرچ، ناشپاتی (ناک)، بھنڈی (انگلی)، مکئی کے دانے (دانت)، بھٹے کے بال (سر کے بال)، اخروٹ کا گودا (بھیجا)، ایرانی پستہ کا چھلکا (ناخن)، سیب (چہرہ کی ساخت)، لوکی (بازو)، کھجور کی گٹھلی (ہونٹ)، ٹماٹر (گال)۔

آمنہ زید (رسالپور): مگرمچھ کی جلد (شریفہ)، برتن میں پانی (آئینہ)، خیال (ڈاک)، دنیا (انڈہ)۔

واعظہ آصف (کراچی): ہری پیاز (بال)، گاجر کی قاش (آنکھ)، اخروٹ (دماغ)، لوبیا (گردہ)۔

سعیدہ حمید (کراچی): میں دل سے سوچ کر جواب بھیجتی ہوں۔ مشق سے احساس ہوا کہ اللہ ہم سے کتنا پیار کرتے ہیں اور ہمیں نعمتوں سے نوازا ہے۔ سنگھاڑا (دل)، سفید سیم کی پھلی (دانت)، لہسن (کان)، مولی (ناک)۔

عزیر (اسلام آباد): شبنم (موتی)، دھند (سفید چادر)، پہاڑ (ٹوپی) پہاڑوں پر برف (نمک)۔

راشدہ کنول: آلو کا چھلکا (کھال)، تربوز (پیٹ)، جنگل جلیبی (آنتیں)، لمبی لوکی (بازو)۔

کشف ناز: اس طرح کی مشقیں مجھے بہت پسند ہیں۔ اس سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے: اسٹرابیری (دل)، انار کا دانہ (آنکھ کی پتلی)، خربوزہ کے بیج (آنکھ)، کا جو (کان)، مونگ پھلی (ہونٹ)۔

فاروق، انیقہ، شیراز (کراچی): بہت دل چسپ مشق تھی۔ سب کی شکل ایک دوسرے سے ملتی ہے۔ سبزیاں اور پھل ہمارے جیسے ہیں، ہم ان کے جیسے ہیں۔ دادی کہتی ہیں کہ ایک ہونے کے باوجود ہم ساخت کی وجہ سے الگ نظر آتے ہیں۔ وہ بھی ہماری طرح کی مخلوق ہیں، ہمیں ان کا خیال رکھنا چاہئے۔

فاطمہ جاوید (کراچی): آلو (گول چہرہ)، کینو کے بیج (آنسو)، انگور (آنکھ کی پتلی)، کیلے کا گودا (دل کی طرح نرم)۔

نبیرہ نعمان (کراچی): ''اللہ میاں کے باغ کے پھول'' پڑھنا اچھا لگتا ہے۔ مجھے مندرجہ ذیل پھل، سبزیوں اور میووں میں یہ اعضا نظر آئے: کان (مشروم)، معدہ (ادرک)، پھیپھڑے (انگور کے گچھے)، نسوں کا جال (درخت کی جڑیں)۔

بلال زبیر (ملتان): جہاز (پرندہ)، ناک (گل دان)، درخت کی شاخیں (ہاتھوں کی انگلیاں)، بادل (روئی)۔

سدرہ رضا (ایبٹ آباد): میری شکل میری امی سے ملتی ہے اور میرے بابا دادا ابو پر گئے ہیں۔

قلعہ میں شگاف

ایک شخص کس مپرسی کا شکار تھا۔ جو کماتا سب خرچ ہو جاتا۔ کمائی سے روز ایک سکّہ جمع کرتا اور ہر روز کام کے بعد اندھیرے میں دشوار گزار راستوں کو طے کرتا ہوا قلعہ پر بنے ہوئے ایک سوراخ میں چھپا دیتا۔ خدشہ تھا کہ گھر میں رکھنے سے چوروں کو بھنک پڑ سکتی ہے۔ حیرت ہے کہ وہ اب تک شاہی اہل کاروں کی نظر سے محفوظ تھا۔

ایک روز بادشاہ قلعہ کے سب سے اونچے ٹاور پر کھڑے ہو کر گردونواح کا جائزہ لے رہا تھا۔ دیکھا کہ ایک شخص قلعہ کی اونچی خطرناک دیوار سے لٹکا ہوا ہے اور اوپر چڑھنے کی کوشش میں ہے۔ حیرت ہوئی کہ حفاظتی تدابیر کے باوجود اگر عام آدمی قلعہ کی دیوار پر چڑھ سکتا ہے تو مملکت کی حفاظت کی کیا ضمانت ــــ؟ جب عام شخص قلعہ کی دیوار پر چڑھ سکتا ہے تو پھر دشمن کے تربیت یافتہ سپاہی کے لئے بلند و بالا دیوار پر چڑھنا کیا مشکل ہے ــــ؟

بادشاہ کو فکر لاحق ہوئی کہ حفاظتی انتظامات اطمینان بخش نہیں، اہل کار اپنی ذمہ داری پوری نہیں کر رہے۔ سپاہیوں کو سرزنش کی اور حکم دیا کہ اس شخص کو حاضر کیا جائے۔

سپاہیوں نے اسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ وہ غریب مزدور تھا۔ پکڑے جانے اور دربار میں پیش کئے جانے پر جسم میں کپکپاہٹ نمایاں تھی۔ بادشاہ کی آواز نے خاموشی کو توڑا۔

بادشاہ نے حاکمانہ لہجہ میں پوچھا، قلعہ پر کیوں چڑھ رہے تھے؟

کانپتے ہوئے نہایت نحیف آواز میں جواب دیا، بادشاہ سلامت! عمر بھر کی کمائی کو حفاظت سے رکھ رہا تھا۔ جواب غیر متوقع تھا۔

بادشاہ نے حیرانی سے دیکھا۔

حضور والا! تھیلے میں تانبے کے سکّے ہیں جسے میں نے قلعہ کی دیوار میں شگاف میں چھپایا ہوا ہے۔ قلعہ محفوظ مقام ہے، میری جمع پونجی محفوظ رہے گی۔

جواب سن کر بادشاہ نے وزرا اور سپاہیوں کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ دربار میں بے چینی پھیل گئی۔

بادشاہ کی خاموشی سوال کر رہی تھی کہ کہیں نہ کہیں

غیر ذمہ داری برتی جارہی ہے جس سے یہ شخص قلعہ کی دیوار تک پہنچ گیا۔ حکم دیا کہ معاملہ کی تحقیق کر کے صورت حال سے آگاہ کیا جائے۔

سپاہیوں نے قلعہ کی اس سمت چڑھائی شروع کر دی جہاں آدمی نے جمع پونجی چھپانے کا دعویٰ کیا تھا۔ سکّوں سے بھرا تھیلا وہاں موجود تھا۔ میلے کچیلے تھیلے پر جگہ جگہ ٹانکے لگے ہوئے تھے۔ کھول کر دیکھا تو اندر صرف دس سکّے تھے۔ تھیلا بادشاہ کو پیش کیا گیا۔

بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ غریب آدمی سچ کہہ رہا ہے۔ اور جب معلوم ہوا کہ اس کی عمر بھر کی کمائی چند سکّے ہیں تو بہت ترس آیا۔ حکم دیا کہ اس آدمی کو حکومتی خزانہ سے پچاس سکّے دیئے جائیں۔

پھر غریب آدمی کو متنبہ کیا کہ آئندہ جان خطرہ میں ڈال کر قلعہ کی دیوار پر نہ چڑھے۔ سپاہی دشمن کا آلۂ کار سمجھ کر جان لے سکتے ہیں۔

اس شخص نے خوشی خوشی انعام وصول کیا اور شکریہ ادا کرتے ہوئے دربار سے رخصت ہوا۔

اس کے جانے کے بعد بادشاہ نے محافظوں کی خبر لی کہ قلعہ میں شگاف کیسے آیا ــــ؟ اور ذمہ دار افراد کو حفاظتی انتظامات کا از سر نو جائزہ لینے کا حکم دیتے ہوئے کہا کہ قلعہ میں جتنے شگاف ہیں، سب بند کر دیے جائیں۔

اگلے روز بادشاہ شہر کا جائزہ لے رہا تھا تو سپاہی نے خبر دی کہ وہ غریب آدمی جسے کل آپ نے انعام دیا تھا اور ہدایت کی تھی کہ آئندہ دیوار نہ چڑھے، اس کو آج پھر قلعہ کی دیوار پر چڑھتے ہوئے گرفتار کیا گیا ہے۔ بادشاہ اجازت دیں تو حاضر کیا جائے۔

بادشاہ حیران ہوا کہ جب کل مدد کر دی گئی ہے پھر کیا معاملہ ہے۔ طلب کر کے سختی سے پوچھا کہ وہ زندگی خطرہ میں کیوں ڈالنا چاہتا ہے؟

آدمی نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا، جناب اعلیٰ! مجھے معاف کر دیں، میں اب پہلے سے زیادہ پریشان ہوں۔ پہلے دس سکّے تھے، کل آپ نے پچاس سکّے عنایت کئے۔ میں دراصل تسلی کرنا چاہتا تھا کہ میری کمائی حفاظت سے رہے لہٰذا مزید اونچی جگہ پر چھپانے کی کوشش کی۔

بادشاہ نے سوچا کہ غریب آدمی کے دل میں لالچ پیدا ہو گیا ہے، اس کا امتحان لینا چاہئے۔

بادشاہ نے کہا، تانبے کے بجائے سونے کے ہزار سکّے دیئے جائیں تو کیا قلعہ پر چڑھنا چھوڑ دو گے؟

اس شخص کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

وہ بولا ، بہت شکریہ عالی مقام لیکن مجھے پھر بھی قلعہ پر چڑھنا پڑے گا کیوں کہ وہاں میرے 60 سکّے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ نیچے لے آؤں تو اس طرح میرے پاس ہزار سونے کے اور 60 تانبے کے سکّے ہو جائیں گے۔

بادشاہ جواب سے محظوظ ہوا اور مسکراہٹ دباتے ہوئے انعام میں اضافہ کر دیا۔

وہ شخص روز قلعہ کی دیوار پر چڑھتا اور پکڑے جانے پر ہر بار اس کا ایک ہی جواب ہوتا۔ اس طرح سکّوں میں بار بار اضافہ کرنے کے باوجود وہ شخص تحائف کے ساتھ 60 سکّوں کا اضافہ کرتا اور کہتا کہ اسے قلعہ پر چڑھنا پڑے گا کیوں کہ اس کے سکّے وہاں پڑے ہیں۔

ایک روز بادشاہ نے پوچھا، اگر میں تمہیں مملکت کا ایک حصہ دوں، تو کون سا حصہ لو گے — شمالی، جنوبی، مشرقی یا مغربی حصہ؟

آدمی بولا، جناب والا! شمالی حصہ لینا چاہوں گا۔

بادشاہ حیران ہوا اور پوچھا، شمالی حصہ؟ لیکن وہ تو بہت پتھریلا ہے، بہ نسبت دوسرے حصوں کے وہاں بہتر زندگی کے لئے قدرتی وسائل کم ہیں۔ تم جنوبی حصہ کیوں نہیں لیتے جہاں کی مٹی زرخیز ہے، کھیتی باڑی کر کے اچھی فصل اگا سکتے ہو یا پھر مغربی حصہ جہاں پر معدنیات کا خوب ذخیرہ ہے جس سے تم راتوں رات امیر بن سکتے ہو یا مشرقی حصہ لے لو جہاں جنگلات ہیں، وہاں تم تاجر کی حیثیت سے بہت ترقی کرو گے۔

اس نے جواب دیا، بات یہ ہے کہ وہ دیوار جس میں، میں نے اپنی کمائی چھپائی ہوئی ہے، سلطنت کے شمال میں ہے اس طرح نا صرف مجھے شمالی حصہ ملے گا بلکہ 60 سکّے بھی مل جائیں گے۔''

بادشاہ نے قہقہہ لگایا۔ دربار میں موجود وزرا اور دوسرے لوگ بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکے، دربار قہقہوں سے گونج اٹھا۔

وہ کسی قیمت پر تانبے کے 60 سکّے چھوڑنے پر راضی نہ تھا۔ بادشاہ نے کچھ دیر سوچتے ہوئے سپاہیوں کو حکم دیا کہ آج کے بعد اگر یہ قلعہ پر چڑھے تو اسے روکا نہ جائے۔ یہ شخص قلعہ کی دیوار میں سوراخ یا شگاف تلاش کرے گا اور اس سے محل کو مطلع کرے گا۔ اگر ایسے شگاف ملیں جس میں 60

سکّے چھپائے جاسکتے ہیں تو اس شخص کو انعام دیا جائے گا۔ جب کہ تم لوگوں کا کام ان شگافوں کو بھرنا ہے۔

اس طرح اس آدمی کو اچھا روزگار مل گیا۔ قلعہ بھی دن بدن مضبوط ہوتا گیا اور جگہ جگہ بھرائی ہونے سے دشمنوں سے حفاظت ہوگئی۔

چھوٹے بڑے بچو! کہانی کو سمجھنے کے دو رخ ہیں۔

۱۔ اطمینان سے بیٹھ کر تصور کریں کہ دولت کو محفوظ رکھنے کے لئے کہیں ہم قلعہ کی سیدھی، اونچی اور خطرناک دیوار سر کرنے کی کوشش تو نہیں کر رہے؟ یہ کوشش جان لیوا ہوسکتی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ساٹھ سکّوں کے لئے ہم بڑے خزانہ سے محروم ہو رہے ہوں؟ اگر ایسا ہے تو غور کریں کہ اہمیت تانبے کے سکّوں کی ہے یا سونے کے؟ کیا ہمیں چھوٹی خوشی کے بدلہ بڑی خوشی کا خطرہ مول لینا چاہئے؟ ہم جن چیزوں کی چمک دمک سے متاثر ہیں کیا وہ مختصر مدت کی ہیں یا طویل المدت فائدہ پہنچائیں گی—؟ یہ دنیا تانبے کا سکّہ ہے۔ اس کو سب کچھ سمجھ کر ہم دوسری دنیاؤں کو نظر انداز کر رہے ہیں جن کی حیثیت سونے کے سکّوں کی ہے۔

السلام علیکم، حضور ابا جی!

میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مراقبہ ہال میں ہوں اور نعت شریف پڑھنے لگی ہوں۔ اتنے میں ایک بزرگ تشریف لائے مجھے نعت پڑھنے پر پھول انعام میں دیا۔ (نورالعین۔ اٹک)

۲۔ کہانی کو غریب مزدور کی نظر سے دیکھا جائے تو سوال ذہن میں آتا ہے کہ سونے کے ہزار سکّوں یہاں تک کہ مملکت کے ایک حصہ کی پیشکش کے باوجود اس نے تانبے کے 60 سکّوں کو اہمیت کیوں دی؟ اس لئے کہ وہ اس نے محنت سے کمائے تھے۔ جو شے مفت ملتی ہے، ہم اس کی قدر نہیں کرتے اور ان چیزوں کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں جو محنت سے کمائیں۔ کیوں کہ ہمیں لگتا ہے کہ ہم نے کمایا ہے، یہ ہماری محنت ہے۔ جب کہ یہاں کچھ بھی ہمارا نہیں۔ ہم دنیا میں خالی ہاتھ آتے ہیں اور خالی ہاتھ چلے جاتے ہیں۔

کہانی کے دو رخ ہم نے بتائے۔ کیا آپ کے ذہن میں ان سے مختلف کوئی تیسرا رخ آیا ہے—؟ ادارہ کو لکھ کر بھیج دیجئے۔

فہد اور یوسف

اٹھو بیٹا! اسکول جانے کا وقت ہو گیا ہے۔

امی مجھے اسکول نہیں جانا۔ وہاں مزہ نہیں آتا۔ مس جو پڑھاتی ہیں، سر پر سے گزر جاتا ہے۔ فہد نے کمبل میں منہ چھپاتے ہوئے کہا۔

فہد کو پڑھنے لکھنے کا شوق نہیں تھا۔ اساتذہ جو پڑھاتے، وہ بھول جاتا تھا۔ امی نے اسے نیند سے جگاتے ہوئے پیار سے سمجھایا، بیٹا! جو بچے کتابوں سے دوستی کرتے ہیں وہ ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں۔ کھیل کود کے ساتھ پڑھائی ضروری ہے۔ شاباش فوراً اٹھو، اسکول کے لئے دیر ہو رہی ہے۔

فہد کی امی کا یہ روز کا معمول تھا۔ بڑی مشکل سے اسے اسکول بھیجتی تھیں۔ پڑھائی میں توجہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ اکثر فیل ہو جاتا تھا۔

آج جب وہ اسکول کے لئے گھر سے نکلا تو اس نے فیصلہ کیا کہ اسکول نہیں جائے گا— گھوم پھر کر وقت گزارے گا۔ یہ سوچ کر اسکول کے بجائے کھیل کے میدان کا رخ کیا۔ راستہ میں ایک لڑکے کو دیکھا جو بڑی بوری کمر پر لادے کچرے کے ڈھیر میں سے کاغذ جمع کر رہا تھا۔ فہد اسے دیکھ کر رک گیا۔ وہ فہد کا ہم عمر تھا لیکن اس کی کمر پر کاغذوں سے بھری بوری تھی اور فہد کی کمر پر کتابوں سے بھرا ہوا بیگ تھا۔ فہد نے صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھے جب کہ اس لڑکے کے کپڑے میلے اور جگہ جگہ پیوند لگی ہوئی تھی۔

لڑکے نے بوری زمین پر رکھی اور ایک کاغذ کھول کر پڑھنے لگا۔ فہد قریب گیا تو وہ اٹک اٹک کر پڑھ رہا تھا۔ لڑکے نے آہٹ سنی تو جھینپ گیا۔

فہد نے سلام کیا اور پوچھا، کیا کر رہے ہو؟

لڑکے نے بتایا، پڑھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

پوچھا، پڑھنے کا اتنا شوق ہے تو اسکول کیوں نہیں جاتے—؟

لڑکا بولا، اسکول گیا تو کام رہ جائے گا۔

فہد حیران ہوا اور کہا، چلو سامنے ہوٹل ہے وہاں ناشتہ کرتے ہیں۔ ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے لڑکے نے پوچھا، یہ اسکول کا وقت ہے، تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ اور تم نے یونیفارم بھی پہنا ہوا ہے۔

فہد شرمندہ ہوا لیکن جواب نہیں دیا۔

ہوٹل پہنچ کر پراٹھا اور چائے کا آرڈر دیا پھر آپس میں ایک دوسرے کا تعارف ہوا۔لڑکے کا نام یوسف تھا۔

فہد نے پوچھا،تمہارے والد کیا کرتے ہیں؟

سوال سن کر یوسف کی آنکھیں نم ہوگئیں ۔ بتایا کہ جب میں دوسری جماعت میں تھا تو ابو کا انتقال ہوگیا۔میں ذہین ہوں لیکن غربت کے باعث تعلیم جاری نہ رکھ سکا اور محنت مزدوری میں لگ گیا ۔ اب دن بھر کاغذ جمع کرتا ہوں ۔ انہیں فروخت کر کے جو پیسے ملتے ہیں اس سے گزارا ہوتا ہے ۔ افسوس ہے کہ جنہیں تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہوتا ہے انہیں موقع نہیں ملتا اور جنہیں موقع ملتا ہے وہ اس کی قدر نہیں کرتے ۔

فہد کی شرمندگی بڑھ گئی۔ یوسف نے دوبارہ پوچھا،آج تم اسکول کیوں نہیں گئے؟

فہد نے ندامت سے کہا، اس لئے کہ قدرت چاہتی تھی کہ میں تم سے سبق سیکھوں۔

یوسف نے چونک کر فہد کو دیکھا۔ اتنے میں چائے پراٹھا آ گیا اور بات ادھر ادھر ہوگئی۔

فہد خاموشی سے ناشتہ کرنے لگا۔ یوسف کے حالات دیکھ کر اس نے وہ سیکھا جو اتنا عرصہ کسی کے سمجھانے پر اسے سمجھ میں نہ آیا تھا۔

ناشتہ کے بعد یوسف سے کہا، بھائی!اسکول کے بعد میرے پاس کافی وقت ہوتا ہے ۔ میں تمہیں پڑھا سکتا ہوں۔ایک بجے تک کام ختم کر کے میرے پاس آجانا تب تک میں بھی اسکول سے آجایا کروں گا۔ یوسف خوش ہوگیا۔

فہد گھر کی طرف جاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اس نے اپنا کتنا نقصان کیا ہے،امی کی بات نہیں مانی،ابا کا پیسہ ضائع کیا۔اور ایک طرف یوسف ہے جس کے پاس اسکول کی فیس کے پیسے نہیں ہیں لیکن شوق کا یہ عالم ہے کہ ردّی کاغذوں کو پڑھتا ہے۔

گھر پہنچ کر امی کو ساری بات بتائی۔اپنے رویہ پر معافی مانگی،اور وعدہ کیا کہ وہ روزانہ اسکول جائے گا اور دل لگا کر پڑھے گا۔امی نے پیار کیا اور اسے شاباش دی کہ اس نے نہ صرف خود پڑھنے کا بلکہ اپنے ہم عمر ساتھی کو پڑھانے کا ذمہ لیا ہے۔

اب فہد دل لگا کر پڑھتا ہے ۔ گھر والے اور اساتذہ اس کے اندر تبدیلی سے خوش ہیں اور وہ سب کا نورِ نظر بن گیا ہے۔

آئینہ

شہزادہ کی شادی کی عمر ہوئی تو اس نے چاہا کہ وہ ایسی لڑکی سے شادی کرے جو بہادر ہو۔

دولت مند امیر کبیر لوگ چاہتے تھے شہزادہ کی شادی ان کی بیٹی سے ہو۔

شہزادہ نے سوچا کہ وزرا اور امرا کی بیٹیاں خوب صورت ہیں لیکن ظاہری خوب صورتی وقت گزرنے کے ساتھ ڈھل جاتی ہے۔ البتہ بہادری ایسا وصف ہے جو ہر دن گزرنے کے ساتھ بڑھتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ لڑکی کی بہادری کا امتحان کیسے ہو؟ تیراندازی کا مقابلہ کرواؤں یا تلوار بازی کا؟

یہ سوچ رہا تھا کہ شاہی حجام آ گیا۔

حجام شہزادہ کے بال بنا رہا تھا— سامنے دیوار پر بڑا آئینہ تھا۔ شہزادہ سوچ میں گم تھا۔ اس نے اپنی مشکل کا ذکر حجام سے کیا۔

حجام نے کہا، حضور! یہ تو بہت آسان کام ہے۔

شہزادہ بولا، وہ کیسے؟

حجام نے آئینہ کی طرف اشارہ کیا اور بتایا، آئینہ بتائے گا کہ کون سی لڑکی بہادر ہے۔

شہزادہ چونکا۔ آئینہ—؟ یہ بتائے گا—؟

اور پھر حجام نے ترکیب شہزادہ کے گوش گزار کی۔

شہزادہ بولا، بہت خوب! کیا عمدہ ترکیب ہے۔ یہ کام تمہارے سپرد ہے۔ تلاش شروع کر دو۔

حجام نے تعظیم کی اور کمرے سے نکل گیا۔

راستہ میں جو ملا، حجام نے سب کو خبر کر دی کہ شہزادہ شادی کرنا چاہتا ہے— شہزادہ شادی کرنا چاہتا ہے۔ یہ خبر کنیزوں اور خادموں سے ہوتے ہوئے وزیروں اور امیروں تک پہنچی۔ اس طرح پورے شہر میں خبر پھیل گئی۔

حجام کی دکان میں جو آتا وہ ان سے شہزادہ کی شادی کا ذکر کرتا۔ کسی نے پوچھا، شہزادہ نے لڑکی دیکھ لی یا ابھی فیصلہ کرنا باقی ہے—؟

حجام نے کہا، میں شہزادہ کے شایان شان لڑکی ڈھونڈ رہا ہوں اور یہ بڑا مشکل کام ہے۔

وہاں موجود لوگوں نے حیرت سے پوچھا، تم اور لڑکی ڈھونڈو گے لیکن کیسے—؟

حجام نے سینہ پھلاتے ہوئے کہا، جی ہاں! آپ نے درست سنا کہ میں شہزادہ کے لئے لڑکی ڈھونڈ رہا ہوں۔ وہ مجھ پر اعتماد کرتا ہے۔ میرے پاس ایسا آئینہ ہے جو درست انتخاب تک پہنچا دے گا۔

آئینہ—؟ سب نے بہ یک آواز کہا۔

لوگوں کی دل چسپی بڑھ گئی کہ بھلا آئینہ سے سلطنت کی نئی شہزادی کا انتخاب کیسے ہوگا—؟

حجام نے بتایا، آئینہ کی خاص بات یہ ہے کہ جو اس میں دیکھتا ہے، اس کے اندر برائیاں داغ دھبوں کی صورت میں ظاہر ہوجاتی ہیں۔ دھبے ظاہر نہ ہوں یا پھر کم سے کم ہوں تو وہی نئی شہزادی بنے گی۔

کسی نے آواز لگائی، بس صرف یہی شرط ہے؟

حجام نے کہا، جی ہاں! جو لڑکی شہزادہ سے شادی کرنا چاہتی ہے، اس کو آئینہ میں دیکھنا ہوگا—اور میں ساتھ کھڑے ہوکر دھبے گنوں گا۔

وہاں موجود لوگوں نے یہ خبر اپنے گھروں میں بتائی، گھر والوں نے پڑوسیوں کو اور پھر گھر گھر سے ہوتے ہوئے خبر شہر میں پھیل گئی۔ ذکر ہر گھر میں ہونے لگا لیکن حجام کے پاس کوئی شخص آئینہ دیکھنے نہیں آیا—ایک مہینہ گزر گیا۔

شہزادہ نے وزیروں اور امیروں کو بھی پیغام بھجوایا مگر آئینہ کی خبر سب تک پہنچ چکی تھی اس لئے کسی نے کہا کہ میری لڑکی کی بات پکی ہوگئی ہے۔ کوئی بولا، بیٹی ابھی چھوٹی ہے۔ ہر ایک نے عذر پیش کیا۔ سب کو ڈر تھا کہ برائیاں ظاہر ہوجائیں گی۔

شہزادہ حجام کی دکان کے پاس سے گزرتا تو حجام سے دریافت کرتا تھا— کوئی اچھی خبر ہے؟ حجام عرض کرتا تھا کہ لڑکیاں تو آتی ہیں مگر یہ دیکھنے کے لئے کہ کیا کوئی لڑکی اندر ہے یا نہیں۔

شہزادہ مسکرا دیتا۔

حجام نے کہا، آپ ولی عہد ہیں۔ سب کو تجسس ہے کہ کون آپ کی دلہن بنے گی مگر ان میں ایک بھی ایسا نہیں کہ آئینہ کے سامنے کھڑے ہونے کی ہمت کرے۔

شہزادہ نے سر نفی میں ہلایا۔ نہیں! کوئی تو ہوگا جو آگے آئے گا۔ ہم انتظار کریں گے۔

حجام نے کہا، حضور! کیا یہ ضروری ہے کہ آپ کسی ایسی لڑکی سے شادی کریں جو بڑے خاندان کی ہو؟

شہزادہ نے کہا، بڑا خاندان کیا مطلب؟ روپیہ پیسہ سے خاندان بڑا نہیں ہوتا— اچھی تعلیم و تربیت سے خاندان بڑا یعنی قابل احترام ہوتا ہے۔ اعلان

کروادو کہ شہزادہ کو اس سے غرض نہیں کہ لڑکی امیر ہے یا غریب۔ شہزادہ صرف اس لڑکی سے شادی کرے گا جو آئینہ کے سامنے آئے گی۔

ہر طرف خبر پھیل گئی۔ غریبوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی — لیکن جب گھر میں مشورہ ہوتا تو سب پیچھے ہٹ جاتے کہ معلوم نہیں آئینہ کیا دکھائے، سب کے سامنے سبکی ہوگی۔ مذاق بن جائے گا۔

ایک ہفتہ گزر گیا لیکن کوئی نہیں آیا۔

ایک روز حجام کی دکان کے باہر سے ایک لڑکی بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ گزری اور ایک جگہ ستانے بیٹھ گئی۔ دیکھا کہ قریب بلی نے بچے دیئے ہیں۔ اس نے پیالہ میں بکری کا دودھ دوہا اور بلی کے سامنے رکھ دیا۔ حجام یہ منظر دیکھ رہا تھا، وہ متاثر ہوا۔ اسے لڑکی بہت اچھی لگی۔

پاس گیا اور پوچھا، بیٹی! ولی عہد شادی کرنا چاہتا ہے۔ کیا تم اس سے شادی کروگی؟

لڑکی نے چونک کر دیکھا اور پھر کھلکھلاتے ہوئے ہنس کر بولی — یہ سوال تو آپ کو شہزادہ سے پوچھنا چاہئے کہ کیا وہ پہاڑوں پر رہنے والے غریب باپ کی بیٹی سے شادی کرے گا —؟

شاہی حجام بولا، شہزادہ کو تمہاری ذات برادری سے غرض نہیں، اور تفصیل بتائی۔

لڑکی آئینہ کے سامنے آنے پر راضی ہوگئی۔

حجام بہت خوش تھا۔ شہزادہ کو خبر دی۔ اعلان کروایا گیا کہ ایک لڑکی آئینہ کے سامنے آنے پر راضی ہے۔ جس نے سنا حیران ہوا۔

دیکھنے کے لئے کہ بہادر لڑکی کون ہے، محل کے باہر لوگوں کا رش تھا۔ وزیروں اور امیروں کی بیگمات اپنی بیٹیوں سمیت عمدہ لباس پہنے دربار میں موجود تھیں۔ سب لڑکی کے منتظر تھے۔

پہاڑی لڑکی محل میں داخل ہوئی۔ خاموشی چھا گئی۔ حسین لباس میں ملبوس لڑکیوں کو دیکھا تو ہچکچائی لیکن پھر ہمت کر کے آگے بڑھی۔

شہزادہ سامنے تخت پر بادشاہ اور ملکہ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ لڑکی نے تینوں کو سلام کیا۔

شہزادہ کھڑا ہوا اور دریافت کیا کہ کیا آپ جانتی ہیں یہ عام آئینہ نہیں بلکہ سب کے سامنے آپ کے باطن کو ظاہر کردے گا —؟

پہاڑی لڑکی نے کہا، جناب والا! میں سب جانتے ہوئے یہاں حاضر ہوئی ہوں کہ یہ آئینہ

میرے برے اعمال داغ دھبوں کی صورت میں سب کے سامنے لے آئے گا۔

شہزادہ نے تعجب سے پوچھا، پھر بھی سامنے آنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں؟

اس نے کہا، غلطیاں سب سے ہوتی ہیں اور مجھ سے بھی ہوئی ہیں۔ اپنے ریوڑ پر کبھی کبھی میں چھڑی مار لیتی ہوں جن سے انہیں تکلیف پہنچتی ہے لیکن میرے خیال سے انہوں نے مجھے معاف کر دیا ہوگا کیوں کہ میں ان کا خیال رکھتی ہوں اور ان کی حفاظت کے لئے ایسا کرتی ہوں۔ انہیں خطرہ محسوس ہوتا ہے تو میرے پاس دوڑی چلی آتی ہیں۔

پہاڑی لڑکی کی باتیں سن کر مہمانوں میں بے چینی پھیل گئی۔ اس نے بات جاری رکھی، یہاں آنے کا مقصد شہزادی بننا نہیں بلکہ میں یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ آئینہ میرے بارے میں کیا کہتا ہے۔ دھبے نظر آئیں گے تو دور ہو جائیں گے۔ پریشانی اس وقت ہو جب دھبے موجود ہوں لیکن ان پر نظر نہ پڑے۔

بادشاہ اور ملکہ مسکرا دیئے۔ شہزادہ بے حد متاثر ہوا لیکن ظاہر نہیں کیا۔ اشارہ سے پہاڑی لڑکی کو آئینہ کی طرف بڑھنے کا کہا۔

لڑکی چند قدم آگے بڑھ کر آئینہ کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ آئینہ میں سراپا دیکھا اور تھوڑی دیر بعد اس کے چہرہ پر مسکراہٹ پھیل گئی کیوں کہ آئینہ میں اس کے علاوہ شہزادہ کا بھی عکس تھا اور وہ بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ لڑکی کے قدم سے قدم ملا کر کھڑا تھا۔

اہل دربار اس پیغام کو سمجھ گئے۔

نئی شہزادی کا انتخاب ہو گیا تھا۔

چہ می گوئیاں شروع ہو گئیں۔

دیکھو! آئینہ میں کوئی داغ دھبا نہیں۔ ہم بے وقوف بن گئے۔ یہ کوئی خاص آئینہ نہیں۔

اتنے میں شہزادہ کی آواز آئی۔ معزز حاضرین! آپ سب نے درست فرمایا، یہ عام آئینہ ہے لیکن اس کے سامنے ایک خاص خاتون کھڑی ہیں جن سے میں شادی کروں گا۔ جو دوسروں کے لئے اچھا سوچتا ہے اور خود کو نمایاں نہیں سمجھتا، اس کا اندر باہر ایک ہوتا ہے۔ کیا میرے اندر خامیاں نہیں ــــ؟ کیا شہزادے خامیوں سے پاک ہوتے ہیں؟ ہم اپنی کمزوریاں دوسروں سے چھپاتے ہیں اور اچھی عادتیں اس طرح ظاہر کرتے ہیں جیسے ہم سے اچھا کوئی نہیں۔ اس لئے کہ ہماری نیت میں کھوٹ ہے۔ ہم وہ نہیں ہیں، جو لوگ ہمیں دیکھتے ہیں۔

شہزادہ کہہ رہا تھا کہ پوری سلطنت میں صرف

ایک فرد اپنا اندر — ظاہر کرنے سے نہیں شرمایا اور ایسا شخص تعظیم کے لائق ہے۔ میرا انتخاب یہی خاتون ہیں۔لڑکی نے حیرت سے شہزادہ کو دیکھا پھر شاہی حجام کو دیکھا ۔ وہ مسکرایا اور نئی شہزادی کے احترام میں آداب بجالایا۔

پیارے بچو ! ہم دوسروں کے عیب ظاہر کرتے ہیں اور اپنے چھپاتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ دوسروں کے عیب چھپانے والوں کو پسند فرماتے ہیں کیوں کہ اللہ خود ہمارے عیبوں پر پردہ رکھتے ہیں۔

بڑے بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر ہم جان لیں کہ دوسرا ہمارے بارے میں کیا سوچتا ہے تو ہم ایک دوسرے کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کریں گے۔ اسی طرح اگر دوسرے یہ جان لیں کہ ہم ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں تو وہ بھی ہم سے ملنا چھوڑ دیں گے۔اس لئے دل کو صاف رکھئے، اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی۔

یاد رکھئے ! بچے اللہ میاں کے باغ کے پھول ہیں۔اس باغ میں وہی پھول کھلتا ہے جس کا دل دوسروں کے لئے صاف ہوتا ہے۔

سوال جواب

جنوری 2019ء کے ''اللہ میاں کے باغ کے پھول'' میں پیاری بیٹی شگفتہ زبیر (جماعت چہارم) کے سوالات شائع ہوئے جن کے عظیمی صاحب نے جوابات دیے۔

ان میں ایک سوال یہ تھا، اللہ میاں کون ہیں، وہ ہمارے خالق و مالک تو ہیں لیکن ہیں کون ــــ؟

جواب میں عظیمی صاحب نے فرمایا،

''پیاری بیٹی ! آپ خود سے پوچھئے کہ آپ ہیں کون ــــ؟ جواب سمجھ میں آئے نہ آئے، لکھ کر بھیج دیجئے۔''

شگفتہ زبیر کی جانب سے بھیجا گیا جواب:

ابا جی، میں ایک مخلوق ہوں۔ مٹی سے بنی ہوں، روبوٹ ہوں۔ چابی سے چلنے والا کھلونا ہوں۔ میں اللہ میاں کی بہترین مخلوق ہوں۔ میں نے اللہ میاں کو دیکھا ہے۔ان سے باتیں کی ہیں اور قالوا بلیٰ کہا ہے۔

عظیمی صاحب نے جواب سن کر فرمایا،

''ماشاءاللہ آپ نے خود ہی جواب دے دیا۔اور آپ نے بہت اچھا جواب دیا ہے۔اللہ آپ کے علم میں اضافہ فرمائے، آمین۔''

خواب تعبیر اور مشورہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نعمان رضا، پشاور۔ دو خواتین اور ایک مرد پر مشتمل تین افراد کا پینل نظر آیا۔ خاتون نے قراقلی ٹوپی پہنی تھی۔ محسوس ہوا کہ نبی کریمؐ کی طرف سے دنیا والوں کو پیغامات بھیجے جاتے ہیں۔ ایک پیغام موصول ہوا کہ لوگ قرآن کا مطالعہ کر کے اس کے علم سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے — ؟

تعبیر: خواب خود تعبیر ہے۔ ہم قرآن کریم پڑھتے ہیں لیکن ترجمہ سے واقف نہیں ہوتے۔ جب کہ علم سیکھنے کا مطلب زبان کا سیکھنا ہے جو آپ بول رہے ہیں۔ یقیناً کسی نے یہ نہیں سنا کہ کوئی زبان جس کا ترجمہ یاد نہ ہو اس کا فائدہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً ہم انگریزی پڑھتے ہیں اور انگریزی عربی کی طرح پڑھتے ہیں۔ کیا ہمیں کلرک کی نوکری مل جائے گی؟ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق قرآن کا سمجھنا آسان ہے۔ سورہ قمر میں چار مقامات پر ارشاد باری تعالیٰ ہے،

''ہم نے قرآن کا سمجھنا آسان کر دیا ہے۔'' (القمر:۱۷)

خواب میں تعبیر

عمارہ خان، کراچی۔ خواب دیکھا کہ بہت مشکل میں ہوں۔ تیز آندھی کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آ رہا، پریشانی کی وجہ سے زار و قطار رو رہی ہوں۔

کوئی ماورائی وجود ''یاحفیظ'' کثرت سے پڑھنے کا کہتا ہے اور تعویذ کا طریقہ یہ بتایا کہ ''یاحفیظ'' 9 دفعہ لکھو اور ہر لائن میں تین تین دفعہ:

یاحفیظ یاحفیظ یاحفیظ
یاحفیظ یاحفیظ یاحفیظ
یاحفیظ یاحفیظ یاحفیظ

دوران خواب احساس ہوا کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

تعبیر: بعض خواب ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے ساتھ تعبیر بھی ہوتی ہے۔

الف لام میم۔ اس کتاب میں شک نہیں ہے۔ ہدایت دیتی ہے متقین کو جو مشاہدہ کرتے ہیں غیب۔ اور ان کا تعلق اللہ کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو مشاہدہ کرتے ہیں جو کچھ اترا تیرے اوپر اور جو کچھ نازل ہوا تجھ سے پہلے اور آخرت کی زندگی پر ان کا یقین ہوتا ہے یعنی عالم ناسوت کے بعد کی زندگی کو وہ دیکھ لیتے ہیں وہ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور وہی ہیں جو مراد کو پہنچے۔

تفکر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ غیب کی دنیا سے متعارف ہونے کے لئے غیب کی دنیا پر یقین رکھنا ضروری ہے اور یقین کی تکمیل مشاہدہ کے بغیر نہیں ہوتی۔ یہ قانون زندگی کے ہر شعبہ میں نافذ العمل ہے۔

ہمارا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جب تک ہم کسی چیز سے واقف نہ ہوں یا اس کے بارے میں علم نہ رکھتے ہوں اسے نہیں دیکھ سکتے۔ ہم جب کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اُسے دیکھ لیتے ہیں۔ ہم درخت کو دیکھتے ہیں تو پتیاں پھول رنگ سب کچھ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ درخت دیکھنے سے پہلے ہم جانتے ہیں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے درخت ہے۔ اگر ہم درخت کے وجود کے بارے میں کچھ نہ جانتے ہوں تو تشریح کرنا ہماری بصارت کے لئے ناممکن ہے۔

ہم جب کسی چیز کی طرف دیکھتے ہیں تو اس چیز سے خارج ہونے والی روشنیاں آنکھوں کے ذریعہ دماغ تک پہنچتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہمارا علم داخلی ہے۔ اس داخلی علم کے کئی اجزا ہیں جسے باصرہ یا باصرہ کے علاوہ دیگر حسوں کا نام دیا جاتا ہے اور یہی حسیں مشاہدہ کا ذریعہ بنتی ہیں۔ مشاہدات فکر سے شروع ہو کر دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے اور چھونے پر مکمل ہوتے ہیں۔ مشاہدات دراصل انا کی تحریکات ہیں۔ ''انا'' کے ہی جسم کو جسم مثالی کہا جاتا ہے۔ یہی جسم خواب میں چلتا پھرتا اور سارے کام کرتا ہے۔ یہ مثالی جسم، خاکی جسم کے ساتھ حرکت کرتا ہے اور بغیر خاکی جسم کے بھی حرکت میں رہتا ہے۔ خاکی جسم سے سرزد ہونے والے اعمال کی ابتدا ذہنی تحریکات سے ہوتی ہے۔ بغیر ذہن کی راہ نمائی کے خاکی جسم ہلکی سے ہلکی جنبش نہیں کر سکتا۔ گویا داخلی تحریکات ہی زندگی کی اصل ہیں۔

خاکی دنیا کے ساتھ ایک دوسری دنیا آباد ہے۔ یہ دوسری دنیا مذہب کی زبان میں اعراف یا برزخ کہلاتی ہے۔ اس دنیا میں زندگی بھر انسان کا آنا جانا ہوتا رہتا ہے۔ اس آنے جانے کے بارے میں بہت سی حقیقتیں انسان کی نگاہ سے چھپی ہوئی ہیں۔ جب انسان سو جاتا ہے تو خاکی دنیا ملکوتی دنیا میں منتقل ہو جاتی ہے۔ انسانوں نے اس کا نام خواب رکھا ہے لیکن اس حقیقت پر غور کرنے کی کوشش نہیں کی کہ خواب بھی زندگی کا ایک جزو ہے۔

بیداری کی طرح نیند میں بھی انسان کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے لیکن وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے واقف نہیں ہوتا۔ صرف ''خواب'' کی حالت ایسی ہے جس کا اُسے علم ہوتا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ ہم خواب کے علاوہ نیند کی باقی حرکات سے کس طرح مطلع ہوں۔ انسان کی ذات نیند میں جو حرکات کرتی ہے اگر حافظہ کسی طرح اس لائق ہو جائے کہ اس کو یاد رکھ سکے تو ہم باقاعدگی سے اس کا ایک ریکارڈ رکھ سکتے ہیں۔ حافظہ کسی نقش کو اس وقت یاد رکھتا ہے جب وہ گہرا ہو۔

دنیا کا ہر انسان یہ جانتا ہے کہ ہر لمحہ زندگی کی تجدید ہو رہی ہے۔ اس تجدید کے ظاہری مادی وسائل ہوا، پانی

اور غذا ہیں۔لیکن انسانی جسم پر ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے جب ہوا، پانی، غذا اور دوسرے وسائل زندگی کی تجدید نہیں کر سکتے۔ مادی دنیا میں اس ہی حالت کو موت کہتے ہیں۔ اگر مادی وسائل ہی زندگی کا باعث ہوتے تو کسی مردہ جسم کو ان چیزوں کے ذریعے زندہ کرنا ناممکن نہ ہوتا۔ اب یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ زندگی کا سبب ہوا، پانی اور غذا نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔

قرآن پاک نے اس کی وضاحت کی ہے:

''اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں تا کہ تم اس سے سبق لو۔'' (الذّٰریٰت:۴۹)

اس آیت کی روشنی میں انسان یا کائنات میں موجود کوئی بھی نوع یا کسی بھی نوع کا کوئی فرد زندگی گزارنے کے لئے دو رخوں کا محتاج ہے۔ ایک رخ کو ہم بیداری کا نام دیتے ہیں اور دوسرے رخ کا نام خواب لیا جاتا ہے۔ بیداری اور خواب دونوں رخوں کا تذکرہ قرآن پاک میں لیل و نہار کے عنوان سے کیا گیا ہے۔ اس عنوان کے تحت آیات میں تفکر کرنے سے یہ واضح طور پر سامنے آجاتا ہے کہ حواس ایک ہیں البتہ حواس میں ردّو بدل ہوتا رہتا ہے۔ حواس جب رات کے پیٹرن میں داخل ہوتے ہیں تو خواب بن جاتے ہیں اور حواس جب دن کے پیٹرن میں داخل ہوتے ہیں تو بیداری بن جاتے ہیں۔ بیداری میں زمانیت اور مکانیت ہم پر مسلط ہے۔ اور خواب (روحانی بیداری) ہمیں زمانیت اور مکانیت سے آزاد کر دیتا ہے۔

انسانی زندگی کا نصف لاشعور ہے اور نصف شعور ہے۔ پیدائش کے بعد انسانی عمر کا ایک حصہ غیر شعوری حالت میں گزرتا ہے۔ اگر ہم پوری زندگی میں نیند کا وقفہ شمار کریں تو وہ عمر کی ایک تہائی سے زیادہ ہوتا ہے۔ اگر غیر شعوری عمر اور نیند کے وقفے ایک جگہ کئے جائیں تو تمام عمر کا نصف ہوں گے۔ یہ وہ نصف ہے جس کو انسان لاشعور کے زیر اثر بسر کرتا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں:

''یہ انسان کی سب سے بڑی محرومی ہے کہ اس نے محسوسیت کو میڈیم بنا رکھا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اسے استعمال کرے اور جتنا زیادہ چاہے استعمال کرے البتہ یہ بہت بڑا ستم ہے کہ وہ اس ہی پر اپنی ذات کو مختصر کر دے۔ ذات جب محسوسیت پر مختصر کر دی جاتی ہے تو ذات بالکل معطل ہو جاتی ہے اور انسان محسوسیت کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتا ہے۔ اب محسوسیت کھلونے کو توڑ دے یا محفوظ رکھے، یہ اس کی مرضی ہے۔ فی الواقع غلامی کو ساری دنیا برا سمجھتی ہے لیکن تمام نوع انسانی نے محسوسیت کی غلامی کا طوق، فخریہ اپنے گلے میں پہن رکھا ہے۔ خواب اور خیال سے فائدہ نہ اٹھانے کا اصل سبب یہی ہے۔

خواب ورائے محسوسیت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اسے محسوسیت ناپسند کرتی ہے اور جب یہ انسانی زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح بیداری کا عمل دخل ہوتا ہے تو محسوسیت ہر طرح کی رکاوٹ ڈالنے لگتی ہے اور ہر دروازہ میں دیوار بن کر

کھڑی ہو جاتی ہے تا کہ ورائے محسوسیت عملی زندگی میں داخل نہ ہو سکے۔''

خواب میں جو کچھ دیکھا جاتا ہے نتائج کے اعتبار سے وہ چیزیں بہت پیچیدہ ہوتی ہیں کبھی بالکل الٹ پلٹ نظر آتی ہیں۔خواب میں جو نشریات آتی ہیں وہ براہ راست لاشعور سے آتی ہیں۔خواب کے اجزائے ترکیبی سے وقوف کے لئے اپنی ذات (روح کی تحریکات) سے واقف ہونا ضروری ہے۔خواب اور بیداری الگ الگ نہیں ہیں۔اگر انسان کو''روح'' کا سراغ مل جائے تو خواب کی زندگی بیداری کی طرح سامنے آجاتی ہے۔

سائنس کی ترقی میں جو عمل کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ وقت پر گرفت کس طرح ہو اور وقت کو کس طرح کم سے کم کیا جائے۔وقت کم کرنے میں رفتار کا عمل دخل ہے۔رفتار حرکت پر قائم ہے۔حرکت نہیں ہوگی تو رفتار کا تذکرہ نہیں ہوگا۔تیز رفتاری کا زیادہ سے زیادہ تعین ٹائم کی نفی کرتا ہے۔انسانی زندگی میں خواب ایک ایسا عمل ہے کہ جس میں بلا تخصیص ہر انسان ٹائم کو لیس نیس (Less ness) کر دیتا ہے۔یعنی خواب میں انسان پلک جھپکتے ہزاروں، لاکھوں میل کا سفر کر لیتا ہے۔مذہب کے پیروکار آسمانی کتابوں اور آخری کتاب قرآن سے استفادہ کریں تو time کی نفی ایک نہایت آسان عمل ثابت ہوگا۔پیغمبر سلیمانؑ کا قصہ قرآن کریم میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اور حضرت سلیمانؑ نے کہا، ہے کوئی جو بلقیس کا تخت اس دربار میں لے آئے۔

دربار میں موجود ایک جن نے کہا، میں تخت لے آؤں گا اس سے پہلے کہ آپ دربار برخاست کریں۔

دربار میں موجود ایک آدم زاد نے کہا، اس سے پہلے کہ آپ کی پلک جھپکے میں تخت لے آؤں گا۔

پلک جھپکی تو حضرت سلیمانؑ اور وہاں موجود درباریوں نے دیکھا، بلقیس ملکۂ سبا کا تخت دربار میں رکھا ہوا ہے۔اس بندہ نے یہ بھی کہا کہ ٹائم کی نفی کا یہ علم میں نے کتاب سے سیکھا ہے۔

کوئی انسان اگر خواب کی زندگی سے جو اس کی زندگی کا نصف حصہ ہے۔واقف ہو جائے تو وقت کی نفی اس کے لئے ایک آسان عمل بن جاتا ہے۔

خواب ایک ماورائی صلاحیت ہے جس سے غیب کی دنیا کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

عالمین میں کوئی ایک فرد بھی''خیال'' کے دائرہ سے باہر زندگی نہیں گزارتا۔لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ''خیال'' کہاں سے آتا ہے۔ جب کوئی بندہ باطنی صلاحیت خواب سے واقف ہو جاتا ہے تو source of information کہاں واقع ہے، اس کی نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔

یادداشت

عبدالرحمٰن، کوٹ ادو۔دیکھا کہ کسی غیر مسلم گھر میں اپنے گھر والوں کے ساتھ گیا ہوں۔ایک خاتون سے کہتا ہوں کہ آپ میری بہن ہیں مگر مختلف مذہب

ہونے کی وجہ سے وہ کہتی ہیں میں آپ کی بہن نہیں ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ ہمیں پیدا ہونے پر کوئی اختیار نہیں کہ کہاں اور کس کے گھر میں پیدا ہوں۔ انسانیت کے ناتے ہم سب بہن بھائی ہیں۔ جس پر وہ خوش اور مطمئن ہوگئیں۔

تعبیر: آپ نے مطالعہ کیا ہے، اس کی یادداشت خواب میں دہرائی گئی ہے۔

مبارک باد

جویریہ، دبئی۔ خواب دیکھا کہ بہن نے کوئی ایسا کام انجام دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے پسندیدہ عمل ہے۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، آمین۔

تین فائلیں

ش م س، لاہور۔ ایک بزرگ نے مجھے تین فائلیں دی ہیں جس میں سے ایک فائل میں خط ہے۔

تعبیر: آپ کو پانچ باتوں کی خاص ہدایت کی گئی ہے۔

۱۔ پاک صاف اور باوضو رہنا۔

۲۔ وقت کی پابندی کے ساتھ اسباق پڑھ کر مراقبہ کرنا۔

۳۔ چلتے پھرتے وضو بے وضو ''یا حی یا قیوم'' کا ورد۔

۴۔ غیبت سننے یا غیبت کرنے سے پرہیز کرنا۔

۵۔ پانچ وقت نماز کی پابندی کرنا۔

خوش خبری

تسلیم گل، کوٹ ادو۔ خواب دیکھا کہ دادا نے آم

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:..... والدہ صاحبہ کا نام:.....

پورا پتہ:.....

ازدواجی حیثیت:.....وزن (تقریباً):.....آنکھوں کا رنگ.....

نیند کیسی آتی ہے:.....بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):..... تاریخ پیدائش:.....

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.....فون نمبر.....

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات :.....

.....

لاکر مجھے دیئے۔محسوس ہوا کہ بہن کی ساس نے میرے لئے بھیجے ہیں۔پھر دیکھا کہ ہمارا گھر بہت خوب صورت بن رہا ہے، جسے سجایا بھی گیا اور اس میں دادا بیٹھے ہیں۔پھر دیکھا کہ ایک رشتہ دار کی بیٹی کھجوریں دیتی ہے اور اس کی مرحومہ نانی بھی موجود ہیں۔

تعبیر: خواب کی تعبیر خوش خبری ہے۔

رونا پڑے گا

نام شائع نہ کریں، کورنگی۔خواب کا کچھ حصہ یاد نہیں رہا صرف یہ یاد ہے کہ اپنی کزنز کے ساتھ بیٹھی ہوں مگر خیالات میں ایک فلم چلنے لگی کہ والدہ کو ایمبولینس میں ہسپتال لے جارہے ہیں۔

راستہ میں معلوم ہوا کہ والدہ انتقال فرما گئیں۔ میرے برابر بیٹھا شخص ان کی آنکھیں بند کرتا ہے۔اس خیال سے باہر آکر رونے لگتی ہوں اور ایک کزن کو کچھ بتاتی ہوں جو روتے روتے کچھ کہتی ہے۔ایسا لگا مجھ سے کسی نے کچھ کہا۔

اس کی بات سے صرف یہ یاد رہا کہ ان سب بہنوں کو بہت رونا پڑے گا اور میری آنکھوں میں ان کی ماؤں کے چہرے آنے لگے۔

تعبیر: سونے سے پہلے پاک صاف ہوکر 21 مرتبہ استغفار پڑھیں۔

خناق (diphtheria)

یہ مرض عام طور پر معصوم بچوں کو ہوتا ہے۔اس مرض میں خوردبین سے بھی نظر نہ آنے والے کیڑے سانس کی نالی میں اتنی تیزی سے پرورش پاتے ہیں کہ چند گھنٹوں میں سانس کی نالی بند ہوجاتی ہے۔اگر بروقت تدارک نہ کیا جائے تو یہ کیڑے جھلی کی شکل میں سانس کی نالی کو بالکل بند کردیتے ہیں اور مریض کا دم گھٹ جاتا ہے۔

اس موذی مرض سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک مرتبہ

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ

پڑھ کر پانی پر دم کریں اور یہ پانی بار بار حلق میں ڈالیں اور گلا سہلاتے رہیں تاکہ پانی حلق سے نیچے اتر جائے۔اس مرض میں لاپروائی نہ کریں، خطرناک مرض ہے۔

many colors, but in the *batin* (inner world) there lies no distinction between 'You' and 'I'."

"What comes after the valley of *Tauheed (oneness)*?"

"Wonderment!" Hoopoe responded, "And nothing."

He continued, "After going through the valley of *Oneness,* a *Salik* reaches the next valley, and becomes captivated in the state of wonderment. If you ask those who reached there if they are alive or dead, on the shores or drowned deep, finite or infinite, or gripped in both the states, they would all simply answer, 'I don't know anything. I don't even know who I am, or if I exist!'"

Once a sufi master called Hazrat Luqman Sarakhsi (RA) expressed meekly to God, "My Lord! I have become old, and it is a tradition of the kings that when their slaves reach an old age, they liberate them. O King of the Kings! O True King! There is no end to your Clemency, have Mercy on me and liberate me from the gravitational pull of this material world." An echoing voice spoke from the *Ghaib* (Unseen):

"To achieve the eternal liberty, you must liberate yourself from worldly wisdom, and from senses of pleasures and sufferings."

Hazrat Luqman Sarakhsi (RA) said humbly, "I want only you and shun every emotion and duality that arises from my rational senses. Take me under the sanctuary of your Mercy." God's Absolute Mercy descended upon Hazrat Luqman (RA) and he was elevated to the status of *Haq al-Yaqeen*.

Hazrat Luqman (RA) said, "I don't know who I am. Lost in the Supreme Entity, I am free from all pleasure and pains, captivated in a state where there is no desire, and this state is better than all states I have previously been immersed in."

(Episode 9)

A son got off the cab and gave money to the driver. The amount due was Rs. 350 , but he gave him Rs. 50 extra, and thought he had done a great thing. The father who was also entering home at the same time asked his son whether he had given the driver the money. The son replied, "Yes."
The father asked him, "How much did you pay?"
The son replied, "Rs. 400 " The father then asked, "Why?"
The son said, "The fare was Rs. 350, but I gave him extra."
The father said, "You should have given him Rs. 500. "
Creases appeared on the son's forehead as he said, "Rs. 500? Why should I have given that much?"
The father replied, "Why not? You were to give him from what God has given to you. What difference would it have made to you?"
And the son learnt a lesson that he hadn't thought about.

the moon. It flies high to reach its love and continues to fly… Its legs wear out, its body turns lifeless, and yet it keeps flying deeply immersed in love, and in that passion, it one day disappears."

After listening to the story, a bird said to Hoopoe, "This isn't such an easy path as you make it out to be through these accounts. Each valley is far more difficult than the preceding one."

Hoopoe couldn't resist laughing after listening to the innocent objection raised by the bird, and said, "All the valleys are like a chain, joined together link by link. If you remove a link, the chain will break apart. There is a connection among all of the links. Do not assume that they are detached from one another. Ponder upon it in contrast to the valleys; from the valley of yearning to the valley of detachment. You will see that all of the valleys are within the valley of yearning. Yearning is related to love, and love detaches one and takes them to realisation. After realisation, the individual observes Unity in plurality, and plurality in Unity. When the yearning grows, you enter into the valley of Oneness. Whatever lies at this point is a complex secret, but don't entangle yourself in these ideas. All the secrets will be unveiled once you reach your destination, and then you'll understand everything."

A bird insisted on Hoopoe to unveil the secret.

In response, Hoopoe narrated a short account, "A *Mureed* (spiritual student) requested that his *Sheikh* (spiritual master) tell him some secrets of *Ilm-e-Huzoori* (Divine knowledge).

The sheikh responded, "Go away! Before asking such questions, make yourself worthy to know the secrets. And *taqwa* (piety) is the criterion to qualify. Prosperity and piety are based upon the cleanliness of the heart and *self.* So first cleanse yourself from all worldly impurities. To be able to know the secrets of Huzoori, and before talking about *maarifat* (realisation), purify your heart from material desires. What does fragrance have to do with a body of filth? Disclosing words of wisdom to the unworthy, undermines the value of knowledge."

Hoopoe recalled another anecdote he had heard from his forefathers, but didn't tell the birds about it and ended the conversation. The anecdote was as follows: Once a student asked his master, "Would you solve the riddle of what this world is?"

The master replied, "It's merely a splendour. It can be explained with the help of honey that is extracted from multicoloured flowers that eventually turn into wax. When it is a wax and nothing else, then what is the standing of the colours? Where does duality exist when there is only One? On the exterior plane things exist in

Creator, I am your Lord.' Seeing Him, kindled sight within the creations, so they witnessed the One and Only God and responded, 'Indeed! You are our Creator, The Lord, and Almighty.'"

As the birds had understood what *Istighna* was. Hoopoe then told them, "Once I was traveling with a person, who told me an interesting story of his village. As it is very interesting, you all should listen too. I will narrate it in his words:

'A very good-looking man in our village fell in a well. After enough efforts he was pulled out in a very serious condition in which he only had his last few breaths left. His name was Abdullah. His father couldn't control himself after seeing the deteriorating condition of his son and screamed, 'O my darling, my dear Abdullah! Please don't leave me, say something, talk to me, don't stay quiet.'

His son could barely speak and said, 'What use is this conversation? Where is your son? Where is the one who was called Abdullah?' With these words his body turned lifeless.'

O travelers of the spiritual path! Stress your minds with the question of where man comes from and where he finally leaves for? Where did our father Adam (PBUH) come from and where has he gone to? Where does his progeny leave to after every minute and where do they come from? When a child enters adulthood, they display their energy by breaking the barricades in their way – then eventually they become weak and turn into an elderly person. Where did their youth disappear to? And finally, even the old age disappears, but where did they come from and where have they gone? Why did they come and why did they have to leave, although they never wanted to leave?

Friends! This world is merely a city in our journey to the destination, but when our eyes close, our breathing stops, and our body stiffens… what then?

Our Earth and sky are constantly changing at every moment, new mountains are being born and growing, and huge rocks are airborne like clouds. Although, we see them as heavy stones but they are floating in the air. What story does the flow of river tell us? With whom are the waves of the ocean so restless to unify with, and which bank are they looking to rest on? These waves jump high with extreme force off the surface of the immeasurable ocean, yearning for their lover but when they descend, the surface of earth thrusts them back to the ocean. What kind of restlessness is this? What sort of love is this that the dwellers of the wide and infinite ocean knowingly try to escape using their energy at best, but confine themselves into the deep ocean? The partridge loves

The student was listening carefully as his master said, "God Almighty asked His Beloved Prophet Muhammad (PBUH) to state that God is One. It is an attribute that no creation in the universe can attain. All creations come in abundance, unlike God Almighty, who is One, only by Himself, and self-sufficient. He is not bound by anything or any wants. It is the attribute of creations to be in need of things. Whereas, He has neither a father, nor a son to anyone. He has no family, and is free of all tribes and castes. He is the One and Only, while there is no such concept within the creations. A creature is in abundance; it is poor and deficient. Moreover, creations have parents, children, families and siblings. No member of any creation is free of any relationship. On the other hand, God Almighty is One and Unique. He is *Be-Niaz* (Self-sufficient), All-powerful, the Highest Being, The First and The Last, The Unseen and Visible, The Beginning and The End, and the Concealed and Apparent."

The student said, "Sir! Since no such attributes exist within the creations, how can a creation become closer to Him then?"

The spiritual master closed his eyes for a few moments as if sunk in the deep sea of thoughts. His eyes were bleary with love and dedication when he opened them and said, "There is one such relationship through which the creation can become dependent on God, even though in fact, they already are completely dependent on Him."

The student asked, "Which attribute is it?"

The master responded, "God is *Be-Niaz* (Self Sufficient). If the creatures refrain from their dependencies on other creations, and implore and beg to the Lord Almighty alone, it will get them closer to the Creator. But one must always bear in mind that the Creator is not far, He is already in the nearest proximities of His creation, and even nearer than we might imagine. The Creator Almighty says, 'I am nearer than your jugular vein'. Not just 'nearer', but the word *Aqrab* is used (the closest proximity with an immeasurable distance between the two).

When any creation, whether that be a bird, mammal or any other species; whether two or four legged, or one that flies with two wings, or the two-legged animal called human – whosoever conforms to this attribute, will witness God. Witnessing God or listening to Him is not a very difficult task.

When God created the universe, the universe wasn't aware of anything except that it exists – but what was it? Why was it? Who created it and why were the creations unfamiliar with the answer? The Creator of the universe unveiled Himself and asked, 'Do you know who I am? I am your

walking, and that there was a lush green field to come. All traces of our path to return have vanished. The void that has developed in my body and in my emotions – or maybe it was always there and I've only just familiarised myself with it now – can only be filled with the vision of Simurgh.

My friends! No war surpasses the war that goes on within a person, and wreaks mayhem in one's nerves. During the journey, when my heart becomes intensely disturbed, I cry and become restless. When the heart quells a little, I soothe myself by saying that this trouble will go away in a short time, but only I am aware of how lengthy that short period is.

There is somebody who is helping me out. When I am about to scatter, this thought saves me from breaking apart. Unpleasant circumstances make me hopeless, but whosoever He is, ensures me of love and benedictions of His self. And then I come out of the grip of that helplessness and start walking towards my destination with zeal and focus once more.

I get disturbed when my ego rises up, but like I said, there is somebody who is helping me, and not letting me steer away. When I find myself lost in the scenery around me on my way, I get further from my destination, and then the trial begins. Then I go through the same pain and find myself exactly where I began my journey from. Exasperated with the discomfort that is triggered by the battle within me, I have now handed myself over to the mercy of the tidal waves. I don't want to snare myself any further. All I wish is that I reach the end of this journey safely and be victorious."

Hoopoe replied, "This is not you, but the One on whose path you have stepped on has become your strength. This is why you feel his presence."

The revered Sufi master Qalandar Baba Auliya (RA) has a high rank in *takween* (the administrative system of God). He once said, "On the path of spirituality, one must never get distracted by the sceneries around. You'll find every bit of it at your destination." He also said, "…and don't wish for your destination with the temptation that you will find everything there. Your objective should only be to meet The Supreme Being. You won't be able to find Him, until you are resolute in your convictions."

After the valley of *Maarifat* (Realisation), comes the valley of *Istighna* (Detachment). A spiritual student once asked his master, "What is the valley of *Istighna*?"

The *Murshid* answered, "It is such a treasure that is invisible to the people. When an individual arrives in this world, their *Istighna* is veiled by the enormous glare of worldly material."

The Diary of Birds

Summary of the Previous Episodes: Mantiq-al-Tayr (The Diary of Birds) is a marvel, authored by the pen of Farid al-Din Attar (RA), who has beautifully presented the knowledge of tasawwuf and True love figuratively in the garb of birds. Through the narrations of the attributes of birds, Attar's (RA) aim is to have the creations look for their Creator, which is only possible when we destroy our "ego", and let our intellect follow the True Reality. The Hoopoe comes forward as a messenger of the birds who introduces them to King Simurgh, by telling them of his magnificent attributes. The birds become restless in wanting to meet Simurgh and with the leadership of the Hoopoe, begin their journey. Since the journey is uneven and long, the birds become perturbed. Each of them tries to give up and narrates an excuse, but the Hoopoe tries to convince them that their pretext is weak. During the journey, when the birds set down to rest, they asked Hoopoe about their affiliation with Simurgh. Hearing the answer, the vigor to reach that high station developed within them. Hoopoe tells them of the variable nature of the world, and the consistency of the nature of the king and his relation with birds. After knowing the truth, the birds began their journey with zeal and zest. Journeying through the turbulent paths, they see the first valley of Sulook (the path of spirituality). The birds requested Hoopoe to tell them about the protocols that the journey of Sulook demands to avoid embarrassment before the king. During the short stay in the first valley, a session of question and answer began. As they had to travel to a distant land, considering the length of time and distance, the birds continued towards the next valley. During the flight, upon a fellow bird's inquiry, Hoopoe narrates the names and attributes of the valleys of Rah-e-Sulook. Read More…

The valleys of Sulook were in disarray, and not everyone had the strength to stand the brilliance of *Aab-e-Hayat* (the elixir of life), except those loved and blessed by God Almighty.

There was no point of return now. After listening to Hoopoe, one of the birds said, "What I have understood, so far, from your discourse and this journey, is that this is not merely a journey through mountains, oceans, valleys, ravines and defiles. It's a test of our determination and tolerance. Carbon turns into precious diamond only after going through rigorous circumstances.

It has happened ample times that I tumbled, became tired and my nerves wrecked. When I looked back, there was desolation everywhere, and when I looked before me, there was wilderness. But each time my heart lifted my morale by telling me to keep

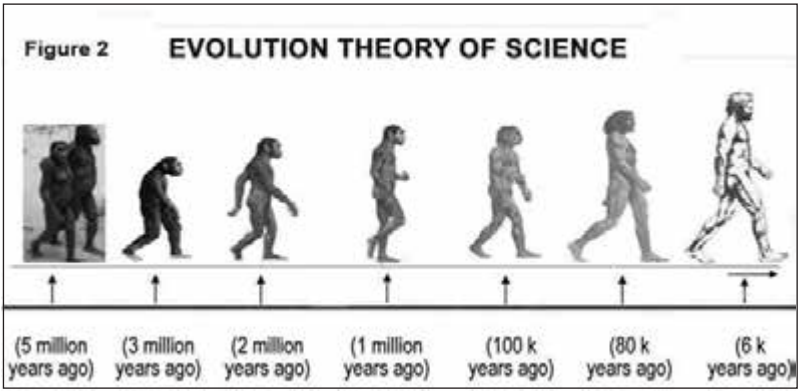

ure 1. Figure 1 shows evolution of universe with time shown on x-axis whereas y-axis and origin of Universe starts from 0 i.e. Big Bang on extreme left of y-axis. From here Universe is seen spreading from left to right side. According to the graph, 13 billion and 700 million years have passed since the coming into being of this Universe. From the point of origin i.e. Big Bang, this Universe started expanding as cosmic rays and kept expanding for a while until celestial bodies such as stars formed. After 9 billion and 200 million years later, our earth appeared in the celestial map. As per astronauts, Universe still continues to spread and expand and new celestial bodies are coming into being with life span from one second to several billion years.

Let us now consider Earth which has for long been considered round although this understanding has been transforming with time.

Around 2500 years ago, a Greek scientist traveling from North to South witnessed several constellations of stars. He drafted map of space observing and calculating the location of constellations. Constellations looked different from various locations on Earth. It was assumed that there were many constellations around earth. The round shadow of earth on moon confirmed the belief that earth was round.

Few centuries later, in order to measure earth's circumference Eratosthenes measured the shadow of sun on earth from different places several miles apart from each other. This experiment proved that earth's circumference could be measured. According to the latest measurements, the diagonal of earth is 12,756 km. According to geometrical formula, earth circumference is 40, 079 km.

(To be continued)

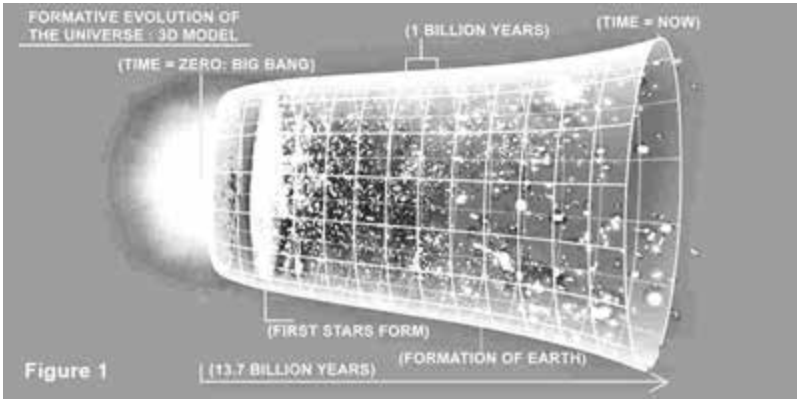

Figure 1

verse rotating around it to provide sustenance to human life. A new chapter was added in efforts to understand universe based on observation and experiment when an Italian scientist invented telescope making it possible to more closely observe celestial bodies. The body of knowledge thus created came to be known as cosmology. New theories were formulated and observations made. First telescope was invented in which image was formed by reflecting light on its lens. Further visual devices were invented to enhance the image and observe details it contained. The information received from images thus obtained strengthened the theory of Big Bang.

According to NASA and ESA definition, Big Bang is, in fact, the point of origin of this universe from where it started to emerge and expand as shown in figure 1. It was not like a huge explosion as the name would suggest.

Let us understand it through an example. In figure 2 the graph shows various stages of human evolution since inception of mankind on earth. Graphs are composed of vertical (y-axis) and horizontal (x-axis) lines. X-axis shows changes in factors which bring about a change in a phenomenon. Y-axis shows change in the phenomenon. The analysis of the graph indicates that change with the passage of time on x-axis leads to change in human appearance and evolution on y-axis.

There are two important elements in the graph.

Graph starts with 0 on extreme left side at the conjunction of x-axis and y-axis.

Although graph contains details of evolution, in real life we have only one moment of x-axis before us reflecting itself in appearance and shape on y-axis. We do not have sights and sounds before and after that moment.

The analysis of graphic details in figure 2 may be applied on fig-

of these arms. The Milky Way is shaped by two trillion solar systems like our own. All these systems are rotating with their specific curves along an oval shaped orbit. Our solar system is balanced by anti-clockwise movements of planets around sun. It can be considered one of the countless plates strewn across the Milky Way.

It is believed that planetary movement in solar systems on the right and left of our own is clockwise. This maintains the curved shape of the Milky Way. It is observed that everyday sun rises from the east and sets in west on our planet. However, in solar systems on our right and left directions sun will be seen rising from the west and setting in the east. This can be true of solar systems which are located at the centre of the curve. This thesis leads us to believe that solar systems located on the sides of the curve sun will rise and set either from the north or south.

Although a wealth of data has been accumulated through various probes and space missions, it is not yet clear whether there is life on other planets too.

Qalandar Baba Aulia (RA) says that it is surmised that human population exists only on Earth. As a matter of fact, humans and jinn populate every "Hadeerah" with their specific demands, urges and emotions like hunger, thirst, sleep, love, anger, sex, reproduction etc.

Undoubtedly, scientific inquiry has facilitated development of solar models mapping planetary directions, movements and tilts that underscores the position of our own solar system in the universe. However, the role of our solar system in an overall universal system as portrayed in IAU's 3 D model needs to be investigated with different angles.

In this regard, Qalandar Baba Aulia (RA) explains a hidden angle (*ghaib*) of Universe as follows:

In spiritual knowledge, physical manifestations of things have secondary importance. First, an effort is made to understand the hidden and the concealed (*ghaib*). Once it is understood, laws governing formulation of physical manifestations come to one's mind"

Man has all along been inquisitive about this universe. In ancient times, he tried to decipher its mysteries utilizing observation and analysis based on traditional values, religious beliefs and knowledge at his disposal. Modern scientific theories are no different. Knowledge flowing from observation and experiments is called science. New discoveries enrich this knowledge and transform existing theories.

Almost 2300 years ago, the Mediterranean scientists believed that Earth was round in shape and it rotated around sun. There was no credible way to prove this theory or to reject religious beliefs that earth is the centre of this uni-

differs in each planet depending on its location in the solar system as well as orbital movement. For instance, gravity of Mercury is 3.7 meters per second^2 since it is small in size. Therefore, the escape velocity of a body in the atmosphere of Mercury is about 15,300 km per hour whereas gravity of Earth is 9.8 meters per second^2. This means that Earth attracts in its atmosphere with 3 times more force than Mercury, and due to its bigger size Earth's escape velocity is 40,320 km per hour. Jupiter, which is 1300 times bigger than Earth and its gravity is about 3 times more, has an escape velocity of 214,200 km per hour. Neptune, which is 58 times bigger than Earth, has gravity 1.10 times that of Earth and its escape velocity is nearly twice as Earth's.

From the nearest to sun i.e. Mercury to the farthest Pluto - planets continue their orbital and axial movements around sun. As per the laws of physics, for a stable movement these planets need smaller celestial bodies around them. In fact, the movement of these bodies provides requisite balance to the movement and tilts of planets. According to experts, up to 181 moons are viewed around planets and dwarf planets except Mercury and Venus. Their presence and movement maintain balance and stability in the forces of gravity between sun and planets and hence their movements and positions in their orbits.

Big planets like Saturn have one or more rings around them instead of planets. In these rings, celestial bodies of varied sizes rotate around the planet as seen around last four planets. In short, the rotation of planets, moons and rings and rotation of sun constitute one rotational system. This rotational system is an element in universe's overall rotational system. It gives our solar system a specific position in the Milky Way. In universal system, this specific position's balance is maintained by sun's power of attraction as well as axial and orbital movements. Nevertheless, following questions continue to beg clarifications:

- How is the sensitivity of these movements maintained?
- How are their quantities determined?
- Why are movements taking place in one plane or axis?
- What is the impact of the tilt of these planets on neighbouring planets, their atmosphere and moon?
- What is the role of solidity and hollowness of planets in solar systems?

Astronauts expect a 3D model prepared by IAU to explain these questions. This model explains that universe spreads in an oval shape. In its centre, there is a barred spiral galaxy called Milky Way containing countless celestial bodies. A spiral arm radiates from each side of the bar. Each arm repels the other at its curve. Our solar system is located on one

The Universe

In spiritual knowledge, physical manifestations of things have secondary importance. First, an effort is made to understand the hidden and the concealed (ghaib). Once it is understood, laws governing formulation of physical manifestations come to one's mind"

According to IAU's computerized animation, in a general model of solar system the presence of specific quantities of various properties ensures stability of the system and keeps the system functional in a certain balance within the overall system of universe. Variation in quantities destabilizes solar system and spreads instability in overall system too.

The orbital and axial movements of planets help our solar system move steadily in the Milky Way. While maintaining these two movements, planets make an angle along their axis called axial tilt which also causes seasonal variations. Axial tilt of Earth is 23.4 degrees whereas orbital tilt towards sun is 0.00005 degrees.

Venus which can be viewed from Earth is most tilted among all the planets towards sun i.e 177.3 degrees. The planet is upside down because north pole is directed southward, so the actual tilt is only 3.7 degrees. Because of this tilt, temperature on its surface remains 462 degree centigrade. Planets with smaller tilts have minimal seasonal variations.

According to data gathered by astronauts, compared to Earth Mercury and Venus are at a distance of about one fourth and three fourth to sun. Mars is 1.5 times as far. A year on Earth equals to about four on Mercury, two on Venus and half on Mars. The axial tilt in Mercury and Mars is 0.01 and 25.19 respectively. The orbital tilt of Mercury is 7 times more than Earth's whereas the orbital tilt of Venus and Mars is 4 and 2 times respectively. Earth, Mercury and Venus are moving almost on the same plane whereas Mercury's axis is different. The comparison of tilt as well as rotational variations between Earth and these planets are used to explain seasonal and physical discrepancies among them. Mars is lighter in mass than neighbouring planets.

Bodies found in a planet's atmosphere need a specific speed to go out of that planet. This speed is called escape velocity (although they do not necessarily move to a specific direction). All space missions are propelled out of the Earth at this velocity. The escape velocity is higher in planets with high gravity and large mass.

What is gravity? Gravity is the force through which planets attract bodies in their atmosphere. This attraction can be defined as specific acceleration speed of a body in one second. This speed

(gentleman) Whoever is scared of the lion should leave. I will rest here for some time. I think a lion will definitely come. It is up to him, how long he wishes to stay. You may leave and enjoy yourselves.'

Some people hid here or there and most of them returned down the mountain. It was summer and the shades of the trees mixed with the breeze were causing drowsiness. Nana (RA) lay down on the dense grass with his eyes closed, and a complete silence surrounded the atmosphere. After a couple of minutes, the jungle felt terrifying. The time passed by as if it were in a desperate wait of something. This wait was not for a priest, a hermit, a holy man, a friend of God or for a person at all, but for an animal. The very animal approached in my imagination… step by step. All of a sudden, my eyes looked in the direction of Nana (RA).

A huge lion appeared and walked towards Nana (RA), very slowly and with respect. It looked at Nana Taj al-Din (RA) with half opened eyes. Within moments, he was next to Nana's (RA) feet, but Nana (RA) remained in a deep sleep. The lion started touching the soles of Nana's (RA) feet with his tongue, and after a while, fell into a trance with closed eyes, and placed his head on the ground. However, none of this stirred Nana Taj al-Din (RA) from his sleep. The lion then mustered up some courage and started licking his soles.

This act woke up Nana (RA). He immediately sat up, stroked the lion's head gently with his hands, and said, 'You have come. You are healthy now. I am very happy to see you like this. Ok, you should go now.' The lion moved his tail as a gesture to thank him, and then left us."

———

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) says, "I thought about this event quite a lot. Nobody can recollect the lion having previously visited Nana (RA) before then. So we are forced to believe that Nana (RA) and the lion knew each other.

The only one possibility for familiarity between them is through the currents of *Ana* that transmitted and was the basis of their meetings.

It indicates that animals also experience *kashf* (inspiration), and humans and other creations are equal in this respect. The currents of *Ana* are present in the infinity at all times. Spatiotemporal distances do not exist for them. The distances that are reduced by the waves of light, are negated altogether by the currents of *Ana*. Humans, plants, animals, stones and all living things use these waves for communication purposes. The expansion of the universe is based upon it. One becomes more familiar with the spiritual realm the more they become aware of the system of waves and their diffusion."

(Episode 4)

———

Harut and Marut were two angels, descended from heaven. They taught the children of Israel the knowledge of the attributes and names of God, extracted from the Torah, which was far more powerful than sorcery and free from evil effects. When the angels were imparting their knowledge, they used to advise, "As the truth has been revealed to you and you have witnessed the truth and untruth, you must now not abandon the knowledge from the 'Book of God'. God has completed His favour of love upon you. You would become an infidel, if you returned to sorcery. Do remember! Our presence is a test for you. You will be tested after our teachings to see whether you follow the knowledge from the 'Book of God' or remain passionate in sorcery under the influence of evil." The children of Israel however, started to use the 'Heavenly Knowledge' for evil and personal gains.

———

Nature and *Jibillat* (behaviours) are two different things. In terms of behaviours, we have a likeness with other species like lambs, goats, cows, buffalos, dogs, cats, snakes, pigeons, doves, etc. However, in Nature, we have a separate status which is blessed to us by the entity, who is superior to all other species of the universe. This blessing is the additional wisdom or the ability to contemplate. Though no one can deny the fact that animals have intelligence. In fact, in some cases they are more intelligent and conscious than humans.

Some animals have the ability to see into the future. For example, cats, dogs and many other animals can perceive the coming of catastrophes and earthquakes. The hearing capability of mankind is comparatively very limited.

A person can hear sound waves from 20 cycles per second (Hertz or Hz) to 20,000 Hz. In contrast, dogs, cats and foxes can hear sounds of up to 60,000 Hz, and rats, bats, whales and dolphins can hear sounds of up to 100,000 Hz.

Faint Vibrations

The range of a person's sight is also very limited, whereas bees can see ultraviolet rays. An eagle can see things eight times bigger than we can. Fish can even feel the slightest of vibrations in the sea.

———

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) is the grandson of Hazrat Baba Taj al-Din Nagpuri (RA) and is responsible for giving us insight into *Qalandar Shaoor* (Neutral Thinking). Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) has explained an account in his book called '*Tazkirah Taj al-Din Baba*', pertaining to a lion that revered Baba Taj al-Din (RA).

"One day, Baba Taj al-Din (RA) went to a jungle in Waki Sharif (India). There were some people with him, and he kept trekking up a mountain trail. After a while, Nana (RA) smiled and said, '*Mian!*

Prophet Solomon (PBUH)

No one can deny the fact that animals have intelligence. In fact, in some cases they are more intelligent and conscious than humans.

Harut and Marut

The children of Israel made amendments to their divine books, and made every kind of change that suited their worldly purposes. So much so that in the case of Prophet David (PBUH) and Prophet Solomon (PBUH), they've gone to the extent that they refused to consider them as prophets, and instead made disgraceful allegations. One of the allegations they made was that Prophet Solomon (PBUH) was a wizard, and it was due to that that he had attained kingship. They said that through magic he controlled jinn, humans, birds, and the wind.

They also said that jinn had the knowledge of the unseen, and when Prophet Solomon (PBUH) found this out, he collected all of their scriptures and buried them under his throne, to keep them out of their reach. They said that Prophet Solomon (PBUH) decreed that whoever did sorcery, or had a belief that jinn had knowledge of the unseen, would be executed.

Buried Scriptures

The evil forces excavated the buried scriptures after the passing of Prophet Solomon (PBUH) and spread the belief within the children of Israel that the knowledge of sorcery came from Prophet Solomon (PBUH), and that it was through sorcery that he ruled over the jinn, humans, animals and wind. Through this lie, magic and sorcery was spread through the children of Israel.

"And when there cometh unto them a messenger from God, confirming that which they possess, a party of those who have received the Scripture fling the Scripture of God behind their backs as if they knew not, and follow that which the devils falsely related against the kingdom of Solomon. Solomon disbelieved not; but the devils disbelieved, teaching mankind magic and that which was revealed to the two angels in Babel, Harut and Marut. Nor did they (the two angels) teach it to anyone till they had said: We are only a temptation, therefore disbelieve not (in the guidance of God). And from these two (angels) people learn that by which they cause division between man and wife; but they injure thereby no-one save by God's leave. And they learn that which harmeth them and profiteth them not. And surely they do know that he who trafficketh therein will have no (happy) portion in the Hereafter; and surely evil is the price for which they sell their souls, if they but knew. And if they had believed and kept from evil, a recompense from God would be better, if they only knew." (Quran, 2:101-103)

taminated it by covering it with decay and filth. If you wish, you can scrape and scrub the filth off and bring out the underlying fragrance. This process of bringing out the fragrance after cleansing the filth is spirituality.

When a student enrolls under a spiritual master, from the very first day, the master takes over the responsibility of the student's purification. The student keeps dirtying the bowl, and the master keeps cleaning it. The spiritual master becomes a janitor for their student as they continuously cleanse the student's internal decay and filth."

I was feeling shy and shameful knowing how committed I was at self-destruction and how committed my master was at reconstructing and saving me from disaster. I focused on what the master had to say further, "Once Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) said to me that it so happens that a master keeps cleansing the student all their life and the student keeps dirtying themselves over and over again, and finally there comes a time that after the repeated process, the master passes away from this physical world, and yet again, the student dirties themselves."

"The meaning of this is obvious. You have enrolled yourself into a spiritual school and you now have a master who starts your training. They teach you that God created this world for you; however, you have not been created for this world. But the student never seems to understand this. The attachment and greed of this world, keeps dominating over them. From this, we can conclude that the luxuries and greed of this world is nothing but decay and debris."

This talk created a huge impact on me. Yes, all of my thinking processes were aligned to this material world. Desires, expectations, wants, goals –they were all guided to assist my comfortable material existence. I was not aware that I had an existence other than this. Indeed, the master was asking me to dig for the gold within me, the fragrance at the bottom of the bowl. The gold and fragrance within me was behind my greed and attachment to this material world. And until I find it, the master would constantly scrub me of my filth. My task was to not undo it.

I began noting down my learning:

- What was the wall of mud?

  My thinking pattern.

- What assisted the creation of the wall of mud?

  My greed and attachment to this material world.

- What would assist in breaking the old structures?

  Daily spiritual practices (*asbaaq*).

- What is the wall of gold?

  The thinking pattern of my spiritual master.

- What would this transformation bring me to?

  Alignment to God & His teachings through the prophets of God. It would finally bring me to my beloved God.

ishing the structure."

I do not know how long I sat there as if struck by a boulder. In literary terms one could say, I was 'awestruck'. I had thought that my education had taught me how to simplify complex things. But that day, while in conversation with the master, I realised that my education had actually made my head complex and confused. Nothing about my thinking was simple and straightforward. It had learned to roam around in circles of theories and forgotten to walk in a simple straight line to a conclusion.

I sat wondering what my master hinted at by speaking of a wall of mud and a wall of gold. I remembered that God said, "He created man from clay and breathed life into him". So was the master referring to this clay or rather our physical body as the mud wall? It could not be, I thought. As this path was not about physical transformation. It had to be something that was within our physical existence that needed cleansing.

I asked myself, what was it that made me a rigid wall?

I realised that the rigidity within me was in my thinking pattern! The opinions, stories, beliefs, value systems and interpretations that I stored within me had made me inflexible and unwilling to change; it was not easy for me to accept things. My thinking pattern surely needed transformation. It had to be rebuilt to accept things as they are without a filter. What then was the wall of gold?

Indeed, it had to be the master's pattern of thinking. His thinking was the prophetic way of thinking, and the prophetic way of thinking is that, ' Everything is the Will of God'.

In this case, the process of removing the mud wall till it reaches the wall of gold was cleansing my filthy negative pattern of thoughts into a pattern of thinking that was aligned to God and His beloved Prophets.

As I sat listening to a recorded spiritual discourse from my master, clarity began to set in. His words reverberated in the air, "The *asbaaq* (daily spiritual practices) prescribed does not initiate the transfer of spiritual knowledge within a person. It is recommended so that one does not undo the work done upon them by their master. It only assists in the creation of a pattern of thinking that supports the easy transfer of spiritual knowledge from a master to a spiritual student. If one does not comply with the requirements of performing the daily *asbaaq*, then they continue to undo the work of the master upon them. Every single day, the master engages themselves in cleansing the internal filth that the student accumulates and yet the student continues to refill themselves with filth."

The master continued, "Let us consider that you have with you a beautiful bowl and deep inside at the bottom of it is an excellent fragrance. And inside this fragrant bowl you have out of your own choice, piled up debris and filth. You cannot say that there is no fragrance inside the bowl, it is surely there, but you have con-

my future spiritual master in my heart every day, "Where are you? Why have you not found me?" Some days were bright when I would wake up and think, "I am sure that I will be found today." And then there were those dark days when I would think, "What if God has not assigned a spiritual master for me?" This cycle between faith and doubt continued for a few decades.

I could not believe that finally after a full circle of ordeal, I was finally sitting before my *guru*, my master, my *murshid*! I am not sure I will ever be able to define my first sight of him in words. But it was like the happiness a little drop of rain feels upon its union with the mighty ocean. I had seen his picture before meeting him; however, nothing had prepared me for the experience of the surge of energy that emanated through him. I was finally with him! That was all that mattered.

His teachings had resonated with me. He did not want me to be afraid of my Creator. He constantly talked about how everything in this world is God's love for us. He explained the why and the how of everything. He shared wisdom. Nothing was dictated and forced upon his students; it was a journey of knowledge and deeper understanding of everything. He did not want any of us to commit or embrace anything without full awareness of what we were doing. He constantly encouraged questions.

He posed his first question to me, "How does one convert a wall of mud into a wall of gold?" I opened my mouth too soon and said, "We could demolish the wall and build it anew with gold maybe?" He smiled. "That would destroy the whole structure and bring the roof down, would it not? You cannot simply break the wall of a home, can you? How do we bring in change without breaking or causing permanent damage to the existing structure? Think!"

That was the first time I had experienced the blank space in my head. I wonder what had happened to my brain, I felt it was unresponsive. I wasn't even sure I had a thinking capacity. The constantly over thinking mind had been shut down by the very first question from my master. I could think of nothing. For the materialistic mind, destruction is an easy choice, however a man of God makes restoration his only choice. He never thinks of destroying anything or anyone and only focuses on how to transform and make them worthy of being in the service of God.

Continuing to smile through my silence, he said, "First we apply a very strong thick layer of gold on the back of the mud wall. And begin to wash the mud of the wall from the front, all the way till we touch the layer of gold at the back of the wall. Even with the mud wall gone the roof is still supported by the thick strong layer of gold we had applied first. Then we begin to fill the space of the wall with gold and bring it all the way to the front. That's when we have a wall of gold without abol-

The Wall of Gold

He posed his first question to me, "How does one convert a wall of mud into a wall of gold?"

I have looked for God everywhere, in forms, objects, scriptures, stories, sermons, people, philosophies, rituals, structures, and nature, and every time I have reached a dead end. Everything and everyone I encountered seemed to have a perspective of God but somehow it did not match my understanding of Him. However, this understanding was very faint at the back of my mind, and the clarity about God had not set in. I did not know what I knew of Him. I did not even know what I was trying to find out about God. I just knew that I wanted to know Him, and meet Him. Why? There was no reason for that too. This desire seemed to be driven by something invisible that I had no control over.

Firstly, I knew for sure that God is not one to be afraid of. He was not ruthless. Secondly, I associated no emotion except for love with God. I could not imagine God had anything but supreme love for all of us. Thirdly, I always found that when I was imparted with knowledge on the why and how, my faith grew stronger. I just could not see myself partake in spiritual routines and rituals that I did not understand or that were forced upon me. If I could not question the spiritual theories and rituals presented before me and get satisfactory answers, I would be skeptical and disregard them altogether.

As the trial and error of these mystical theories and rituals to find God continued, I began to notice that there were very few people who resonated with me and lived without the fear of the wrath of God. Most of those around me seemed to be busy in pleasing God with sacraments, bargaining with Him for what they thought was best for them, transacting with Him with offerings and prayers.

I did not understand this relationship. Was it not a business transaction if it was all about give and take? Was this not self-centered if one would only offer submission in return for the granting of their prayers? Was this not audacity towards He who created everything for us?

The questions continued to mount on top of each other but no answers came to me. Who out there could quench my thirst? Who would come to me with the truth of the One I have been seeking since childhood? I thought of how looking for a spiritual master amongst seven billion people would be the most difficult task, but I was wrong! Harder than that was finding the right spiritual master. It is then that I chanced upon an old saying, "You do not seek a *guru* (spiritual master); the *guru* seeks you."

From then on, only one idea plagued my mind. I kept asking

poetry) that were replete with arcane secrets of spirituality and spiritual knowledge.

A friend is lost in the beauty of the friend
An ecstatic unconsciousness
doesn't have the strength to talk
Whoever drinks the drink of lovers
He remains intoxicated and
never regains consciousness

The above mentioned *ghazal* is a reflection of a specific feeling which is known as *Masti* in the Qalandar Sufi order. People of knowledge explain *Masti* as:

The initial letter of the word *masti* denotes love, support and struggle without which the true objective cannot be fulfilled. The second character is for *tazarruj* which means to soak in blood i.e. to sacrifice. The third character means *Yam*, which means flood or the overflowing of water in a river.

The following are translations of some couplets by Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA),

"I do not know how I sway when I see my beloved, but I am proud to dance before my beloved."

"In the love of a friend, every moment spent is like dancing on the fire. At times, I roll over the sand, and at others, I dance over thorns."

"I am Usman Marandi. Sheikh Mansoor (RA) is my friend. People jeer me and I dance on the gallows."

Hazrat Lal Shahbaz Qalandar's (RA) poetry is written in the Persian language, and therefore, people with no understanding of the Persian language are not aware of his works. Furthermore, not much research has been done over what he has written, but in terms of subject and meaning, his literary works are comprehensive, huge in scope, and entail arcane secrets.

❁ ❁ ❁

The existence of great Sufis with the knowledge of the universe is like shade for the people. For these far-sighted people, designations and titles are of no value. They live only for God and serve His creations only for Him.

Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA) said,

"Shahbaz – I flew and have conquered myself. I am with my friend and do not know anyone else except my friend."

The true believer dwells in the state of *Fana Fi Allah* (giving up oneself completely to God) and *Baqa Bi Allah* (nothing but God remains). A famous Sufi poet of Sindh, Hazrat Shah Abdul Latif Bhitai (RA), has mentioned these pious people in his poetry:

"*Kahori*: It is one who strives hard with determination to clear a jungle full of thorns. This is indicative of a person who is very courageous, has high morals and whose aim of life is to cognise God. One finds Infinity through *zikr* (remembrance in the heart). These are the lovers of God, who find the Truth by entering in the infinite zone. They feel close to God wherever they are and no matter what they do."

❁ ❁ ❁

V

I saw birds that had light flashing out of their wings. I saw flowers beyond the imagination of a human's mind. A speciality of the flowers was that there were hundreds of colours within them. These colours were not just ordinary colours, but every colour was like a small light bulb. When the wind blew, these swaying, colourful flowers created a scene that looked like millions of light bulbs swinging on the plants and trees.

A distinctive quality of the trees was that all of them, their trunks, branches, leaves, flowers, and fruits were circular in appearance, just like mushrooms that grow on the earth after rainfall. Like the mushroom, the trees were round and with a straight trunk. Melodies engulfed the surroundings when the wind touched the leaves and trees. A melody so sweet that hearing it would make one's heart brim with ecstasy. I saw grape vines in the garden that were either dark pink or blue, with big bunches, each grape equal to the size of an apple in our world. In the garden there were waterfalls and streams of pure water that resembled milk. There were hundreds of lotus flowers with their necks lifted up that gave the impression that they were waiting for someone's arrival. From the surroundings, it appeared that it was either early morning, just before dawn or that moment between rain letting up and sunset. I saw hundreds of birds but no quadruped.

I asked a parrot that was perched on a beautiful tree about the location of the garden. The parrot replied in a human voice, 'This is paradise, and this is the garden of God's friend, Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA).' The parrot flew away singing praises of God.

In short, I am unable to explain in words what I observed there. I took a bunch of grapes and returned to Hazrat Lal Shahbaz (RA) through the same path, which I suppose you could call the window to paradise. Hazrat Lal Shahbaz (RA) asked, 'Did you like my garden?' I replied, 'Huzoor! I have never heard of or seen such a garden before. I cannot even justly praise it.'

Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA) was happy to hear it. He patted me on my back, took the bunch of grapes from me and gave them me to eat, one by one. I do not remember exactly but I ate around five to seven grapes. Their taste was completely different to the grapes of the world." (Excerpt from the book "Jannat ki Sair")

❁ ❁ ❁

Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA) was not only a great Sufi, but he also had exceptional command over worldly literature. He was a linguist and according to the research conducted by historian Richard Burton, Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA) wrote four books in Persian about grammar and linguistics. He has also delivered great *Ghazals* (a type of

Translation: I am Qalandar, I am Shahbaz. I have many homes.

Wherever I go, there are scenes of water and divine light.

The Qalandari Sufi order was started by Hazrat Abdul Aziz Makki Qalandar (RA). When explaining the meaning of Qalandar, Mr. Azeemi has said, "The veil before their sight has been lifted for such a person, and they travel higher and higher above in understanding the various strata of the being. They deeply immerse themselves into the serenity and peacefulness of the *Maqam-e-Wehdat* (a state where one observes the oneness of God). They remain fully concentrated in the observation of the Oneness of God and thus, achieve the level to be the servant of God. They then remain in *Hayrat-e-Mahmooda* (an ecstasy in which everything else is disregarded) – such a person is a Qalandar."

❁ ❁ ❁

The following is a passage from Mr. Azeemi's works:

"The angel flew and went so high into the sky that the Earth looked like a shiny dot. Then it descended and settled on the tomb of Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA) in Sehwan. The dome of the tomb opened up like a lid, and while carrying me (I was in the form of a baby), the angel entered inside of it. Therein, he stood before the resting place of Qalandar Sahib (RA). After a short while, a movement occurred in the grave and it opened. A light appeared from the split of the grave and it turned into Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA). I saw that Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA) was sitting with the grandeur suited for a Qalandar. The angel placed me at the feet of Qalandar Sahib (RA), took three steps backwards in reverence, and then flew away.

Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA) drew two circles on the floor with his index finger and placed me in such a manner that my head was in one circle, and feet were in the other. He kept his left hand on my forehead, and his right hand on my stomach, recited something that I could not understand, and blew on the middle of my head. He then read something and blew on my chest. And the third time he recited something and blew on my belly button.

After the third blow, my body started growing and turned into the body of a 12-13 year old boy. He held my finger and took me inside of the grave. As soon as we entered it, the split part of the grave joined together and the grave appeared to be like a closed room. There was a small window or door on the left side's wall. Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA) said, 'Go, open the door and enjoy what is there. Eat whatever you like and from wherever you wish. You are all free.'

I moved forward, opened the door and went inside. It was a garden, so scenic and beautiful that nothing on earth could be compared to it. It had everything.

dar (RA) and returned with trembling feet.

Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA) told him in a very firm voice, "Tell your raja, I am not here to leave. If the ruler of Sehwan wishes for his own good, he must leave this place himself."

After the *Isha* prayers (last prayer of the day after sunset), in the presence of his disciples, Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA) turned towards the fort and said, "Bodalah! You must come to us now."

The disciples all wondered who it was that he was calling.

On the other side of the fort, Sikander Bodalah (RA), who was under great suffering from his imprisonment of months, was relieved from his chains as soon as Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA) uttered those words. And with that, the door of the prison opened and Bodalah (RA) heard the voice of his spiritual mentor. He realised that his wait was over and he chanted with joy, "My spiritual master has arrived!"

Even after being badly injured, he stood up quickly, and reached to the abode of his spiritual master through divine help.

❁ ❁ ❁

Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA) spread the *Noor* (a form of divine light) of Islam despite staunch resistance. Due to his high ethical values, the fate of Sehwan changed, and a huge number of people pledged allegiance to him. This disturbed the peace of the Raja. Magicians and sorcerers advised the Raja that if *haram* (prohibited) food was fed to anyone, it would nullify their spiritual powers.

So the Raja followed their advice and sent the *haram* meat to Hazrat Lal Shahbaz (RA). Seeing this, the revered master overturned the pot with intense emotions and said, "I thought that the infidel would turn to the straight path after seeing so many signs. But no one can save a person in whose fate destruction is written, except for God."

When the disciples saw this, they were frightened and in the next moment, Sehwan was struck with an earthquake. The foundations of the fort of Raja Jeer Jee turned upside down and within a moment, the game of power and rule came to an end.

❁ ❁ ❁

The friend of God, Lal Shahbaz (RA) was appointed to the designation of Qalandar. Being the most eminent among the disciples of Baba Ibrahim (RA), he was blessed with the title of *'Shahbaz'* (Falcon) by his master. It is indeed great fortune for the valley of Sindh that God sent such a great person there, who was born in Marand, Iran.

Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA) has introduced himself with the following Persian couplet:

قلندرم و شہبازم مرا کاشانہ گوناگوں

بہر جائی روم آنگاہ آب و نور خوش آید

"*Andher nagri aur chaupat raaj*," which translates to, "There is lawlessness, and then there is the rule of Chopat."

Seeing the hopeless condition of the people under the rule of Raja Jeer, a *majzoob* (a person who is so immersed in reality, that they pay little to no attention to the physical world) Sikandar Bodalah (RA) used to chant, "My spiritual master is about to come, and this cruelty is about to end."

His voice had such fervour that it could be heard across the walls of the Raja's fort. In the darkness of the night, when everything else was engulfed in silence, his ecstatic voice would not allow the residents of the fort to sleep. Initially, the Raja ignored it, but with time when the chants grew intense, the Raja became furious and ordered for the arrest of Sikandar Bodalah (RA).

When he was presented before the Raja, he kept repeating the same words. Even when in custody, he kept on repeating the same thing and was hence tortured. However, after every lash he received, he still chanted, "My spiritual master is about to come."

The friend of God, Lal Shahbaz Qalandar (RA) travelled through the Indian continent and entered the valley of Mehran (Sindh) after receiving the blessings from many Sufis on the way. There was a neighbourhood close to where he was staying that dealt in wine and women. The people of the neighbourhood complained to the Raja about the presence of this dervish in their locality. In response, the Raja ordered his men to have the dervish removed.

Following orders, the soldiers went to Hazrat Lal Shahbaz Qalandar's (RA) tent. When they tried to enter, they found that they could not. Whenever they tried to step inside, they felt the strength in their legs leave them. As soon as they thought of returning to the Raja, their legs functioned normally again. So the soldiers returned to the Raja without seeing Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA) and narrated the happenings to the Raja who became furious upon hearing it.

God selects and appoints people for the completion of His plans, and that plan always succeeds. God ascribes to the actions of His own friends, as His own actions.

The Raja sent a tray full of diamonds, pearls and gold coins to Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA) on the advice of his ministers. When the tray was presented before Hazrat Lal Shahbaz (RA), he ordered his disciples to throw it into a fire. As his disciples enacted his command, all of the valuable items turned to ash. The minister who had come as a representative of the Raja was shocked to see this wonder working. Gold liquefies when heated in a furnace, and even then it consumes a lot of time. However, the flames turned it into ashes within moments. The minister submitted before Hazrat Lal Shahbaz Qalan-

Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA)

The existence of great Sufis with the knowledge of the universe is like shade for the people. For these far-sighted people, designations and titles are of no value. They live only for God and serve His creations only for Him.

Muhammad Usman is the given name of God's friend Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA), who was a great Sufi scholar from Sindh (a province of Pakistan). He was born in 1143 CE, in a small town named Marand, which is situated in the East Azerbaijan province of Iran. Before his birth, his father, Syed Ibrahim Kabir al-Din (RA), saw a dream that a group of *qalandars* (title that is given to a friend of God) were chanting in a loud voice, "Son of Syed Kabir (RA) will be a leading *qalandar* among *qalandars*." After some time, Lal Shahbaz (RA) was born. Looking at the qualities of his son, Syed Ibrahim (RA) believed his dream to be true.

Muhammad Usman (RA) acquired elementary education in his home town. He memorized the holy Quran when he was only seven. Under the guidance of his teachers, he attained worldly knowledge and gained expertise in Arabic and Persian languages. His parents passed away before he turned 20.

He was inclined towards spiritual knowledge after attaining worldly education. He started his journey for Iraq via Tabriz and visited the shrine of Sheikh Abdul Qadir Jilani (RA) in Baghdad. During the visit, he met a disciple of Hazrat Abdul Qadir Jilani (RA) named Baba Ibrahim Wali (RA), who had attained cognition of God. Hazrat Lal Shahbaz (RA) pledged allegiance and settled there. He was blessed with successorship in a short period of time when Baba Ibrahim (RA) observed his capabilities.

Hazrat Lal Shahbaz Qalandar's (RA) spiritual journey had started under the supervision of Baba Ibrahim (RA), after which he set off for the holy land of Makkah on the orders of his spiritual mentor. He visited many holy places during his journey and stayed in Makkah and Madinah for three months.

Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA) went to Madinah after performing *Hajj* (Islamic pilgrimage). During his visit to the resting place of Prophet Muhammad (PBUH), he kept his head bowed in reverence and continually offered *Salam* (peace greetings) to the Prophet Muhammad (PBUH). He was then commanded by his mentor to travel to Sindh.

❁ ❁ ❁

Sehwan is an old town within the boundary of the Jamshoro district in Sindh. At that time, Sindh was ruled by Raja Jeer Jee who was known as Raja Chopat. He had a loose character and was very cruel. An Urdu proverb was coined after him that says,

V

Breathing is linked to calories. A calorie can be defined as the heat energy involved in warming up one gram of water by one degree Celsius. Water takes up about 70% of the body, and it contains both negative and positive charge. As energy transmits into water, the collision between charges creates friction and produces steam, which comes and goes in the form of breath.

Re-reading this formula with concentration will expose new horizons of understanding to you.

The act of breathing in and out are two proportions which combine to form breath. Deep breathing increases the span of life whereas shallow breathing affects it otherwise. According to the divine law, the annihilation of two lives gives birth to a new life, which then embraces its opposite facet and annihilates. In this manner, life is drawn out of death and death is drawn out of life to sustain the aforesaid course of life.

Layee hayaat aaye, qaza le chali chalay

apni khushi na aaye na apni khushi chalay

Translation:

Life swirled me into existence;

While death escorted me away.

Of my own accord I did not arrive;

Nor will I be ushered out with a say.

May God protect you.

ings. It is to be noted that these four elements are themselves created in proportions. For instance, fire is not only fire, but a combination of all the elements in the universe. When the designated essentials for fire are assembled, the element of fire is produced.

The role of plants is crucial to maintain the ecosystem. The calm and cooling effect in them is due to the colour green. In contrast to green, the colour red has a warm effect, which is dominant in fire but dormant in trees. As everything is known by its opposite, likewise, cold is known through fire. That is why, the element of fire is present but latent within trees.

The presence of fire in trees is due to the existence of oil within them. If the proportions of wood are broken down by increasing heat, the proportion of oil in the wood will become dominant. Now whatever comes in contact with oil, the friction between them will cause fire.

One of the characteristics of oil is adhesiveness, which binds all components to form an object. But at the same time, these components have the tendency to catch fire or burn to ashes due to the presence of oil. This makes it obvious as to why everything tends to catch fire, be it wood, water or soil.

The presence of carbon in oil is responsible for combustion. In reaction, a dense substance is released which is known as smoke. However, this phenomenon does not apply to olive oil because it is free of carbon.

The Quran sheds light on dimensions in the following way. The Almighty God says,

> "Then turned He to the heaven when it was *Dukhan*, and said unto it (*Dukhan*) and unto the earth: Come both of you, willingly or loth. They said: We come, obedient." (Quran 41:11)

The sky was in the state of '*Dukhan*' at the inception of the universe. God commanded the *Dukhan* to enter the Earth. As soon as it complied, the dimensions that were latent, surfaced on Earth. Science considers *Dukhan* as carbon. But carbon does not capture what '*Dukhan'* actually is.

This interpretation will help comprehend how fire is produced from a tree.

Red is seen as the dominant colour in fire, whereas green is prevalent in trees. Both green and red signify the negative and the positive charge in wood. When these opposite charges absorb into each other, they create fuel for life, which is known as breath.

present in water.

The aforementioned description is to help you comprehend the mechanism behind the following verse.

> "Who hath appointed for you fire from the green tree,
> and behold! Ye kindle from it." (Quran 36:80)

The scientific and spiritual interpretation of this verse is mentioned as follows.

Scientific Interpretation: Science explains that a certain amount of glucose circulates in blood. If glucose level falls, a person feels faint and may also lose consciousness.

The process through which glucose is made in plants is called photosynthesis. During this course, the green pigment present in the leaves, which is referred to as chlorophyll, converts the molecules of water and carbon dioxide into glucose and oxygen with the help of sunlight. As a result, oxygen cleanses the air and benefits the ecosystem.

Glucose is stored in leaves, flowers and fruits in multicoloured forms. The animal kingdom uses it as food. When glucose reacts with the oxygen in plant and animal cells, it is once again converted into carbon dioxide, water and heat. This is called the metabolism of cells and it is contrary to the process of photosynthesis.

The metabolism of cells is similar to the process of combustion but its function is limited as it releases a subtle amount of energy in comparison to combustion. The cells keep this internal 'chimney' in motion with care. This mechanism can be explained well when one relates it to engines in vehicles. In cars, combustion takes place internally; fuel is released and burns in small amounts to keep the motion of the engine in flow.

Spiritual Interpretation: The Lord of the universe says,

> In the name of God, the Beneficent, the Merciful.
>
> "Praise the name of thy Lord the Most High, Who createth, then disposeth; Who measureth, then guideth; Who bringeth forth the pasturage, Then turneth it to russet stubble." (Quran, 87:1-5)

The Almighty God has created the entire universe in proportions. Earth, water, air, and fire are the basic elements that are proportionately present in everything, and the alteration in them gives birth to other be-

entities. For instance, what does it signify when water converts into blood, blood into milk and their subsequent transformation into cream, butter and ghee? It substantiates that ghee is already present in water, but appears only when the temperature reaches to the degree that proportions ghee.

Similarly, everything contains fats in different proportions. When fats are extracted from lentils, vegetables and other grains, it is named as oil. Contemplation is required as to why the dimensions (anatomy) of the nutriments subside when oil is extracted from them?

One must reflect on the fact that the rise in density of an object is directly proportional to gravity, which brings out dimensions. All dimensions of life are accommodated in water. God has stated this fact in the Quran as, "al-sahab al-siqaal".

> "He it is Who showeth you the *barq* (lightning), a fear and a hope, and raiseth the heavy clouds." (Quran, 13:12)

God has drawn the attention of *Ulil-albab** towards positive and negative charge through the occurrence of *barq* (lightning) and the origination of heavy clouds.

Analysis: Water — Gravity — Fats — Positive charge — Negative charge = Lightning

Lightning is parallel to fire, as both possess the tendency to burn.

The system of the universe is dependent upon movement. When movement in an object accelerates, it produces heat whose parallels are drawn with fire. In the same vein, the process of deceleration manifests the other side of heat, which is cold.

Both heat and cold are termed as temperature. At this point, it is pertinent to know what temperature is? Temperature is defined as energy and energy is generated through different ways.

- In the line of chemistry, it is produced through combustion.
- In the scope of mechanics, it is formed through friction.
- And in the electrical field, it is generated through repulsion.

Chemistry is germane to gas; mechanics concerns matter and electricity is relevant to flow which is the trait of liquid. All of these states are

*The people of wisdom

Message of the Day

The formula of creation is similar in all beings, but its manifestation is diverse owing to the proportions present in it.

The Quran mentions that everything is created out of water. Water is an entity that contains movement, and movement is linked to temperature. Temperature expresses itself in two ways i.e. hot and cold, which respectively carry positive and negative charge. The word charge denotes force and it is force that causes gradual fluctuation in temperature, which results in the formation of innumerable organisms.

Since every creation is born out of water, consequently, the temperature in water is also transferred to them. Water in itself is a formula that contains all the proportions that manifest into organisms whether they be as small as a virus and as large as a mountain. Every creation emerges in proportions according to their embedded anatomy in water. Every proportion differs from another and yet, their identities (dimensions) cannot be perceived unless awareness of their existence is imparted into the creations.

The question that arises is at what stage do dimensions appear? Let's understand it through the following example.

The stratum of the earth where minerals exist has a very high temperature. This intensive heat liquifies minerals, and as a result, conceals their dimensions. But once the heat is alleviated, the minerals in molten form return to their relevant proportions, and this procedure gives birth to identities.

The above can be assessed through a simple experiment. When oil is poured into water, it does not mix, and floats on the surface instantly. But as like attracts like, oil does blend into water when it is heated, because both oil and water are present in each other in specific proportions. Now, let the mixture cool down and you will notice that the oil and water will repel each other and set themselves apart.

Dear readers, you are advised to experiment it for better understanding.

A certain degree of temperature ascertains the formation of every creature. This variation in the degrees affect the physical appearance of

Contents

Message of the Day	K. S. Azeemi	172
Hazrat Lal Shahbaz Qalandar (RA)	Dr. Saeeda Shafiq Memon (Ph.D.)	167
The Wall of Gold	Bibi Anuradha (UAE)	161
Prophet Solomon (PBUH)	Extracted	157
The Universe	Dr. Naeem Zafar (Ph.D.)	153
The Diary of Birds	Hazrat Farid al-Din Attar (RA)	148

"You yourself are your own
obstacle, rise above yourself."
- Hazrat Hafiz Shirazi (RA)

Vol 7 Issue 3 | April 2019 | Rajab — Shabaan 1440AH

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in chief
Huzoor Qalandar Baba Auliya RA

Chief Editor
Khwaja Shams al-Din Azeemi

Editor
Hakeem Salam Arif

Circulation Manager
Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.70/- Per issue. Annual subscription Rs.950/- with Reg. Post (Domestic), US$ 60/- (International)

Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020